قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ
۴
چار روپے

ٹیلیفون
۸۸۰۸۰۰
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) بی ۲/۲۵ گلبرگ ۲ لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ـــــ ۴۸ روپے
غیر ممالک ـــــ ۱۱۰ روپے

جلد (۴۰) | جنوری ۱۹۸۷ء | نمبر ۱

فہرست

۱۔ لمعات ۲
۲۔ محترم پرویز صاحبؒ کا درس قرآن کریم (بذریعہ وی سی۔آر) ۷
۳۔ قائدِ اعظمؒ اور اسلامک آئیڈیالوجی (علامہ پرویزؒ) ۹
۴۔ معراج انسانیت (حسن عباس رضوی) ۲۲
۵۔ دین کی باتیں (ثریا عندلیب) ۲۵
۶۔ یورپ سے درآمد کردہ گوشت کے بارے میں
۷۔ رابطۃ العالم الاسلامی کا فتویٰ (محمد رمضان ثاقب) ۳۰
۸۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام (شاہینہ بیگم رضوی) ۳۳
۹۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ ۳۸
۱۰۔ حسنِ تحریر (م۔ع۔ دراز) ۳۹
۱۱۔ غیر مسلم بھی شرعی عدالت کا جج بن سکتا ہے
(حافظ محمد یعقوب خان تاجیک) ۴۱
۱۲۔ حقائق و عبر۔ (علماء اور اسلامی قانون کا نفاذ) ۴۵
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماڈل ٹاؤن تشریف لائیں گے؟)
(عید میلاد النبیؐ) (حج یا پکنک) (حج کے معلم)
(عمرہ اور فلموں کی نمائش) (وفاقی شرعی عدالت کا
ایک اہم فیصلہ) (اہل حدیث کا انکارِ حدیث اور تحریف حدیث)
۱۳۔ طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک ۵۵
۱۴۔ ہمسایوں کے آداب (ثریا عندلیب) ۵۷
۱۵۔ نقد و نظر ۶۲

ناشر: محمد خلیل، ناشر: شیخ عبدالحمید۔ مقامِ اشاعت: ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز، ۳۴ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵۔

باسمہٖ تعالیٰ

لمعات

شریعت بل کے نفاذ میں سب سے بڑی رُکاوٹ علماء ہیں!

علماء کی جانب سے پہلا شریعت بل پچھلے سال سینٹ میں پیش کیا گیا تھا، جب سینٹ نے اس کے بارے میں رائے عام معلوم کرنے کے لیے اسے مشتہر کیا تو طلوعِ اسلام بابت مارچ ۱۹۸۶ء میں اس پر بھرپور تبصرہ کیا گیا تھا۔ پھر ستمبر ۸۶ء میں اس مجوزہ بل میں خود انہی علماء کی جانب سے کچھ ترامیم کا اضافہ کر کے اسے ایک ترمیمی بل کی صورت میں پیش کیا گیا۔ جس پر طلوعِ اسلام بابت اکتوبر ۱۹۸۶ء میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں تبصروں میں جس اہم نکتے کو زیرِ بحث لایا گیا تھا۔ وہ سُنت کی قانونی تعریف تھی۔ اس سلسلے میں سُنت کے بارے میں فرقہ اہلِ حدیث کے مسلک کا بھی ذکر کیا گیا تھا کہ وہ سُنت اور حدیث کو مترادف الفاظ سمجھتے ہیں لیکن جو احادیث ان کے مفاد کے خلاف ہوں، انہیں وہ بالکل تسلیم نہیں کرتے، چاہے وہ ائمہ حدیث کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق صحیح ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سلسلے میں بٹائی کی حرمت والی احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا تھا جنہیں اہلِ حدیث علماء تسلیم نہیں کرتے حالانکہ زمانہ جدید کی تحقیق کے مطابق بھی وہ صحیح قرار پاتی ہیں اور خود علامہ پرویز صاحب جن کے بارے میں فرقہ اہلِ حدیث ہر وقت یہ ڈھنڈورا پیٹتا رہتا ہے کہ وہ منکرِ حدیث تھے، وہ بھی ان احادیث کو تسلیم کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ احادیث قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔

اخبارات میں شریعت بل کے حق یا مخالفت میں جو مضامین شائع ہو رہے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوعِ اسلام نے سُنت کے مفہوم کو متعین کرنے کی جس ضرورت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس سے عوام کے دلوں میں دوسرے ترمیم شدہ بل کے بارے میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ اس سلسلے میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کا ایک مقالہ نگار اس کی ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:۔

"اس (یعنی ترمیم شدہ شریعت بل) میں لفظ سُنت پر ماہنامہ "طلوع اسلام" نے حسبِ سابق سُنت کے خلاف زبردست تلملاہٹ کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ پروفیسر وارث میر نے سُنت کے مفہوم کو گڈمڈ کرنے کے لیے پورا زورِ قلم صرف فرمایا۔"

طلوعِ اسلام نے اپنے تبصرے میں حنفی فقہ کے اس فتویٰ کو بھی نقل کیا تھا، جس میں حنفی فقہاء نے مسلمان حکمرانوں کو ہر قسم کی حدود کے نفاذ سے بالاتر قرار دیا تھا، اس کا نتیجہ نوائے وقت کے الفاظ میں یہ نکلا کہ اہلِ حدیث حضرات نے فقہ

کو صرف اختلاف اور گمراہی قرار دے کر حنفیت اور شافعیت کے برعکس "کتاب وسُنت" کے نفاذ کو اپنی منزل قرار دیا، اس طرح یہ بل ترامیم کے باوجود قوم کی اجتماعی حمایت سے محروم رہا، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد مقالہ نگار نے جو نتیجہ نکالا اس میں انہوں نے مودودی صاحب اور پرویز صاحب کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا۔ اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں۔

"ملک کے اکثریتی طبقات میں مسلمہ اور مستند فقہاء کے تعین پر اضطراب پایا جاتا ہے مثلاً اگر عدالت میں ایک ہی مجلس میں طلاق ثلاثہ کو تین ہی تصور کیا گیا[1]۔ تو یہ فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اس کے مقابلے میں دورِ حاضر کے فقہاء کو جن میں جناب مودودی، جناب پرویز، ڈاکٹر اسرار احمد، پروفیسر طاہر القادری کو کوئی مسلمہ اور مستند فقہاء بنا کر پیش کر دے اور جامد تقلید کی بجائے متحرک تقلید کو میدان میں لے آئے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ فقہ حنفی ہی کی بالادستی قائم رہے گی"۔

اگرچہ جماعتِ اسلامی مجوزہ شریعت بل کی تائید میں پیش پیش ہے، لیکن ایک حنفی عالمِ دین کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مودودی صاحب اور پرویز صاحب کو ایک ہی سطح کے اہلِ علم سمجھتا ہے۔

یہ تبصرہ روزنامہ نوائے وقت کی ۲۸ اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور اس میں بل کی تائید کرنے والے علماء نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ دوسرا بل، ترمیمات کے باوجود قوم کی اجتماعی حمایت سے محروم رہا۔ چنانچہ متحدہ شریعت محاذ نے اس صورتِ حالات پر غور کیا اور اس غور و فکر کے نتیجے میں ابھی حال ہی میں ایک تیسرا ترمیم شدہ بل پیش کیا ہے۔ اس نئے ترمیم شدہ بل کا تعارف کراتے ہوئے متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات جناب زاہد الراشدی کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اگر مفروضات کی بجائے حقائق اور عملی ضروریات کے حوالے سے شریعت بل کی کسی دفعہ پر ملک کے دانشور طبقہ کو نظرثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تو انہیں اس کی نشاندہی کرنی چاہیئے، متحدہ شریعت محاذ نے اس سے قبل بھی ضروری ترامیم کو اپنے وقار اور انا کا مسئلہ بنایا ہے اور نہ ہی اسے آئندہ کسی مفید تجویز یا ترمیم کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تامل ہوگا۔

(روزنامہ جنگ لاہور بابت ۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء)

متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات کی جانب سے "علماء" کی بجائے جو "دانشور" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس کا اشارہ طلوعِ اسلام اور اس کے تبصروں سے متاثر اہلِ علم کی طرف ہے۔ اگر متحدہ شریعت محاذ کے رہنما ہماری بات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں تو ہم ان کی خدمت میں ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ جس پر عمل کرنے سے شریعت بل کے نفاذ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] یہ مثال بھی طلوعِ اسلام نے ہی اپنے تبصرے میں دی تھی۔

ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق علماء حضرات نے اسلام کے اہم مسائل کے بارے میں جو منافقانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے وہی شریعت بل کے نفاذ کے خلاف سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔ مثلاً متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات نے بھی اپنے مضمون میں بار بار اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اہلِ پاکستان اسے زندگی کے ہر شعبے میں عملی طور پر نافذ کرنا چاہتے ہیں اگر اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے تو اس کا ایک مکمل نظامِ مالیات بھی ہونا چاہیئے۔ نظامِ مالیات کا ہم نے اس لیے ذکر کیا ہے کہ کسی بھی معاشرے کے یہ سب سے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ بلکہ مختلف ممالک کے سیاسی نظاموں کو مالیات کے نظام کے حوالے سے ہی جانا جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت ساری دنیا میں دو نظاموں کی بالادستی ہے ایک نظام سرمایہ داری جو اپنے بے حد و حساب ملکیت کے نظریے سے مشہور ہے اور دوسرا سوشلزم جو محدود ملکیت اور عوام کی بنیادی ضرورت کی ضمانت دینے والا نظام کہلاتا ہے۔ اس وقت اسلامی ممالک سمیت، دنیا کے تمام ممالک نے اِن دونوں مالیاتی نظاموں کو ان کی اصل شکل یا ترمیم شدہ صورتوں میں اپنا رکھا ہے ان کے مقابلے میں اسلام کا مالیاتی نظام ہے۔ جو ان دونوں سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ جس میں دنیاوی ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ صرف نظامِ زکوٰۃ کہ جسے ہمارے آج کل کے علماء نے خیرات قسم کی چیز قرار دے رکھا ہے۔ سے اسلامی حکومت کے کاروبار کو چلایا جاتا ہے۔ یہ ہماری ذہنی اپج نہیں بلکہ اُمتِ مسلمہ کے تمام فقہی مذاہب کے آئمہ کا مُتفقّہ فیصلہ ہے۔ علامہ عبدالوہاب الشعرانی نے اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ کی دوسری جلد کے صفحہ دو پر لکھا ہے کہ اس امر پر تمام مسلمان فقہاء کا اتفاق ہے کہ نظامِ زکوٰۃ کے ساتھ کوئی ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ قیام پاکستان پر چالیس سال گزر چکے ہیں اور جماعت اسلامی سمیت تمام فرقوں کے علماء، کہ ہر وقت نفاذ شریعت کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن ابھی تک ان میں سے کسی کو یہ توفیق نہ ہو سکی کہ وہ اسلام کے مالیاتی نظام کا ایک خاکہ ہی سوادِ پاکستان کے سامنے پیش کر سکیں۔ اگرچہ انھوں نے مختلف غیر متعلق موضوعات پر کتابیں لکھ لکھ کر الماریوں کو بھر دیا ہے۔ اسلام کے مالیاتی نظام سے ان علماء کی بے خبری کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں، یا تو وہ بددیانتی کے مرتکب ہو کر سرمایہ دارانہ نظام کے تحفظ کے لیے اس نظام پر پردہ ڈال کر سرمایہ دارانہ نظام کو جوں کا توں رکھنا چاہتے ہیں یا اس بارے میں انہیں اسلامی احکامات کا پوری طرح علم نہیں، یہ دونوں صورتیں قابلِ افسوس ہیں، کیونکہ ان کے اس طرزِ عمل کے نتیجے میں شریعت بل کے نفاذ کی راہ میں ایک بہت بڑی رُکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے اور وہ رُکاوٹ یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کا مالیاتی نظام کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے اور دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ شریعت بل کو تائید کرنے والے ان علماء نے اس کے راستے کی اس رکاوٹ کو خُوب سراہا بھی ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔

کچھ عرصہ پہلے مجوزہ شریعت بِل کے سلسلے میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اس کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے آئین میں نویں ترمیم کی جا رہی ہے۔ اس ترمیم کے ذریعے دو اہم معاملات جنہیں پہلے قانونی تحفظ حاصل تھا اور وہ وفاقی شرعی

عدالت کے دائرہ کار سے باہر تھے۔ انہیں عدالت کے دائرہ کار کے تحت لایا گیا ہے یہ دو معاملات عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء اور مروجہ سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام تھے۔ لیکن اس سلسلے میں نویں ترمیم میں کچھ ایسا طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے کہ جس کے نتیجے میں عائلی قوانین کو تو مزید کوئی تحفظ نہ دیا گیا جب کہ اس کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ مالیاتی نظام جس کی بنیاد سود پر ہے اور جو قرآن مجید کے احکامات کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف جنگ کے مترادف ہے اسے کچھ مزید تحفظ دیا گیا ہے۔

اس مقصد کے لیے ترمیم کی دفعہ (۳ ا) کے ذیل میں یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اگر وفاقی شرعی عدالت کسی مالیاتی معاملے کو اسلامی امور کے ماہرین کے مشورے سے اسلامی احکامات کے خلاف قرار دے دے تو اس سلسلے میں متبادل انتظام کے لیے مناسب تجاویز دے اور اس خلافِ اسلام قانون کو تبدیل کرنے کے لیے مناسب مہلت بھی دے پھر ذیلی دفعہ (۳ب) کے مطابق مالیاتی امور سے متعلق خلافِ اسلام قرار دیئے گئے قوانین بھی اس وقت تک نافذ العمل رہیں گے کہ جب تک قانون ساز اسمبلیاں، اس بارے میں نئے قوانین نہیں بنا لیتیں۔ خیال رہے کہ اسلام کے مالیاتی نظام کی بنیاد غیر حاضر زمینداری نظام کے خاتمے پر استوار ہوتی ہے اور یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے ہماری قانون ساز اسمبلیوں کے زیادہ تر اراکین اسی طبقے سے منتخب ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں، یہ لوگ کبھی بھی ایسے کسی اقدام کی حمایت نہیں کریں گے جس سے غیر حاضر زمینداری نظام پر کسی قسم کی زد پڑے اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس ملک میں کبھی بھی اسلامی مالیاتی نظام نافذ نہ ہو سکے گا۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ شریعت بل پیش کرنے والے علمائے اس ترمیم کو سراہا۔ بظاہر ان کے اس ترمیم کو سراہنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عائلی قوانین کو جو قانونی تحفظ حاصل تھا وہ ختم ہو گیا لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اس حقیقت کی طرف دھیان نہیں دیا کہ وہ جس ترمیم کو سراہ رہے ہیں اس نے اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دیا ہے اور جیسا کہ گذشتہ سطور میں واضح کیا جا چکا ہے کہ کسی بھی نظام کا مالیاتی ڈھانچہ اس کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور جب شریعتِ اسلامی کا مالیاتی ڈھانچہ ہی ملک میں نافذ نہ ہو سکے گا تو شریعت بل کے حق میں ان کے مظاہروں سے کیا حاصل ہو گا!

مزید دکھ کی بات تو یہ ہے کہ شریعت بل کے سلسلے میں ہمارے علماء قرآن مجید سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کرتے اور قرآنی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اختلافی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں قرآن مجید کا اصول یہ ہے کہ جن مسائل میں تمہارے درمیان اتفاق ہو، پہلے انہیں اپناؤ۔ ارشاد ہے۔ یا اھلِ الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم (اے اہلِ کتاب اس کتاب کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور آپ کے درمیان متفقہ ہے)

اسلام کا مالیاتی نظام، جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔ ایک ایسا ہی مسئلہ ہے۔ جس پر اُمتِ مسلمہ کے تمام فرقوں کا کامل اتفاق ہے۔ اس لیے اگر شریعت بل پیش کرنے والے علماء حضرات اپنے مطالبے میں مخلص ہیں، تو انہیں سب سے

پہلے اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنی چاہیئے کہ جن کے بارے میں ہمارے کسی فرقے کو کوئی بھی اختلاف نہیں، اس کے نفاذ سے جو برکات سامنے آئیں گی، ان کی مدد سے دوسرے اختلافی مسائل کو بھی حل کرنے میں مدد ملے گی اور پھر جب اسلام کے مالیاتی نظام کے نفاذ سے ملک سے تمام ٹیکس ختم ہو جائیں گے تو عامۃ الناس بھی یہ محسوس کر سکیں گے کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وہ صرف آخروی زندگی میں ہی سرفراز نہ ہوں گے بلکہ ان کی دنیاوی زندگی بھی سنور جائے گی۔

متحدہ شریعت محاذ کے سیکرٹری اطلاعات نے ہمیں دعوت دی تھی کہ ہم شریعت بل کے نفاذ میں رکاوٹوں کی نشاندہی کریں، اسے قبول کیا جائے گا۔ ہم نے اس سلسلے میں ایک سب سے بڑی رکاوٹ کا ذکر کر دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ واقعی اسے دور کرتے ہیں یا سرمایہ دار طبقے کا تعاون، حاصل کرنے کے لیے پہلے کی طرح اسلام کے اس بنیادی مسئلہ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

انگریزی دان قارئینِ طلوعِ اسلام متوجہ ہوں!

جنوری ۱۹۸۷ء سے ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کی انگریزی تصنیفات، حسبِ ذیل قیمتوں پر [جن میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں] ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) سے دستیاب ہوں گی۔

(1) PHENOMENA OF NATURE AND THE QURAN : قیمت چوراسی روپے

(2) THE HEAVENS, THE EARTH AND THE QURAN : قیمت چوراسی روپے

(3) CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN : قیمت اڑسٹھ روپے

(4) GATEWAY TO THE QURAN : قیمت چون روپے

(5) FOOD AND HYGIENE IN ISLAM : قیمت نو روپے

منجانب: ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ لاہور ۱۱

محترم پرویز صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن کریم

محترم پرویز صاحب کے اس درس نے عالمگیر شہرت حاصل کر لی ہے مرکزی درسگاہ تو ادارۂ طلوع اسلام (B/۲۵ گلبرگ ۲) ہے جہاں یہ درس (آج کل) ہر جمعہ کی صبح ۹½ بجے بذریعہ وی سی آر (V.C.R) ہوتا ہے لیکن اندرون پاکستان اور بیرونی ممالک میں اسے ٹیپس (TAPES) کے ذریعے عام کیا جاتا ہے حسب ذیل مقامات پر یہ (V-C-R) کے ذریعے نشر ہوتا ہے۔

کراچی: ہر جمعہ ۹½ بجے صبح۔ بمحمد اسلام کمرہ نمبر ۲۴ ہارون چیمبرز الطاف حسین روڈ نیو چالی فون نمبر ۲۳۸۸۲۸

اوسلو: (ناروے) ہر اتوار شام ۵ بجے بمقام
JINNAH HALL, KEYSERS GATE _1
OSLO _ I
زیر انتظام محترم امجد محمود صاحب نمائندہ بزم فون نمبر 02-615756

لندن: (یو کے) ہر ماہ کے آخری اتوار دو بجے بعد دوپہر بمقام
47 _ HURLE ROAD
GREEN FORD MIDDLESEX
TEL: 01 _ 578 _ 5631

ٹورنٹو: (کینیڈا) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۱۰ بجے صبح
335 DRIFTWOOD _ AVE # 311
DOWNS VIEW, TORONTO (ONT.)
M3N _ 2P3, TEL: (416) 661_2827

پشاور: ہر جمعہ ۴ بجے سہ پہر بذریعہ (VCR) رہائش: سیّد افضل خان نمائندہ بزم بالمقابل رحمان برادرز ٹمبر کارپوریشن یونیورسٹی روڈ تہکال پایاں پشاور

جہلم: ہر ماہ کا آخری جمعہ بعد نماز جمعہ یوسف بٹ صاحب۔ بٹ آئرن سٹور چک جمال روڈ کالا گوجراں جہلم

لاہور: ہر جمعہ ۹½ بجے صبح۔ ۲۵-بی گلبرگ ۲ نزد پولیس اسٹیشن فون نمبر: ۸۸۰۸۰۰ (بذریعہ وی سی آر V-C-R)

گوجرانوالہ: ہر جمعہ بعد نماز جمعہ درس قرآن کریم بذریعہ وی سی آر دفتر بزم طلوع اسلام ملحق رہائش گاہ چوہدری مقبول شوکت نمائندہ بزم گل روڈ گوجرانوالہ

گجرات: ہر جمعرات تین بجے سہ پہر رہائش گاہ ڈاکٹر محمد اکرم مرزا صاحب جناح کالونی (گجرات) ٹیلیفون نمبر: ۳۶۳۰ + ۳۷۴۰

فریڈرکستاد: (ناروے) ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا اتوار ۱۲ بجے بمقام
ARNE _ SVENDSENS _ GATE 1,
1600 FREDRIKSTAD, NORWAY.
TEL: (032) 10287 / 21604

برمنگھم: (انگلینڈ) ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲ بجے بعد دوپہر
227_229 ALUM ROCK ROAD 38_
3BH (BIRMINGHAM)

ملتان: جمعہ ۱۰ بجے صبح دفتر میسرز شاہ سنز بیرون پاک گیٹ (فون نمبر: ۳۱۰۷۱)

لندن یو کے: ہر ماہ کے دوسرے اتوار
39 MANSELL ROAD,
GREENFORD. MIDDX. TEL.01-572_5862

اور ذیل کے مقامات پر، عام (TAPES) کے ذریعے

نام بزم طلوع اسلام	دن اور وقت	مقام اور درس کے کوائف
لندن (انگلینڈ)	ہر ماہ کا پہلا اتوار ۲½ بجے بعد دوپہر	76, PARK ROAD, ILFORD, TELPHONE No, 553 — 1896
کوئٹہ	باقاعدہ ہفتہ وار	رابطہ کے لئے: صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ باہتمام غلام صابر صاحب
فیصل آباد	جمعہ ۳½ بجے سہپہر	حیات سرجری کلینک، ۲۳/c پیپلز کالونی، فون نمبر: (۴۲۸۵۵)
ہنگو	جمعہ ۵½ بجے شام	رہائش گاہ محمد جمیل صاحب واقع ریلوے روڈ فون نمبر (۶۷)
راولپنڈی	ہر جمعہ ۵ بجے شام	سی-۱۶۶ لیاقت روڈ
پنجکسی تحصیل کبیر والہ (ملتان)	جمعہ ۳ بجے سہپہر	مطب حکیم احمد الدین مرحوم (نمائندہ بزم) چوہدری عبدالعزیز صاحب ایم اے
گجرات	جمعہ بعد نماز جمعہ اور اتوار ۴ بجے [illegible]	۱۲۰/بی-بی بھمبر روڈ باہتمام شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ
جلال پور جٹاں	جمعہ بعد نماز جمعہ	دفتر بزم طلوع اسلام (بازار کلاں)
ایبٹ آباد	۱- جمعہ ۴ بجے سہپہر ۲- اتوار ۴ بجے سہپہر	رہائش گاہ: صلاح الدین صاحب واقع 234-K-L کیہال (ایبٹ آباد) رہائش گاہ: غلام مصطفےٰ اعوان صاحب K-356 گنج گراؤنڈ (ایبٹ آباد)
بورے والہ	ہر ماہ کا پہلا اور تیسرا جمعہ بعد نماز جمعہ	برمکان محمد اسلم صابر، مرضی پورہ گلی نمبر ۵ نیسرا چوک ملتان روڈ۔ بورے والہ
سرگودھا	ہر جمعہ صبح ۹ بجے	رہائش گاہ: ارشد محمود ارشد ۶۰/A سول لائن ریلوے روڈ سرگودھا (جو ماہین خیام سینما اور شمع سے مین ریلوے روڈ پر واقع ہے (فون ۴۲۱۶)

قائدِ اعظمؒ اور اسلامک آئیڈیالوجی

۲۵ دسمبر کو سینیٹ ہال، لاہور میں یونائیٹڈ نیشنز سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام، یومِ قائدِ اعظمؒ کی تقریب پر، محترم پرویز صاحبؒ کے زیرِ صدارت ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس میں، خود پرویز صاحب نے مذکورہ بالا عنوان پر تقریر فرمائی۔ اس تقریر کے (NOTES) لے لئے گئے تھے۔ اب اسے مرتب شکل میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔ تقریر کے بعد، سامعین کا عام تاثر یہ تھا کہ قائدِ اعظمؒ کی مساعیٔ جمیلہ ان کے خیالات اور نظریات کا جو پہلو اس تقریر میں پیش کیا گیا ہے اس سے پہلے کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ اس کا تقاضا وہیں شروع ہو گیا تھا کہ اسے مرتب شکل میں طلوعِ اسلام میں شائع کیا جائے۔ آپ نے فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریر

برادرانِ عزیز! آج کی تقریب میں شرکت، میرے لئے دو وجوہات سے باعثِ فخر و مسرت ہے۔ ایک وجہ تو بالکل ظاہر اور بیّن ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ تقریب ملّتِ اسلامیہ کے اُس محسنِ عظیم کی یاد میں منائی جا رہی ہے جس کے یقینِ محکم اور عملِ پیہم کے صدقہ میں آج ہمارا شمار دنیا کی آزاد قوموں میں ہو رہا ہے۔ تاریخ کے جس نازک دَور سے ہم گذر رہے تھے، اگر اس وقت حکیم الامت علامہ اقبالؒ (علیہ الرحمۃ) پاکستان کا تصوّر نہ دیتے، اور اس کے بعد، قائدِ اعظم (علیہ الرحمۃ) بساطِ سیاست پر نمودار نہ ہوتے، تو خود قائدِ اعظمؒ کے الفاظ میں، ہندوستان میں اسلام اور

مسلمانوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا"۔ اس اعتبار سے ملتِ پاکستانیہ، روحِ قائداعظمؒ کو مخاطب کرکے، بجا طور پر کہہ سکتی ہے کہ ؎

حیرت کے غمکدے میں خوشی کا گذر کہاں — تم آگئے تو رونقِ کاشانہ ہو گئی

لہٰذا قوم کے اتنے بڑے محسن کا حق ہے کہ اس کی یاد اس شان سے منائی جائے جس کی مستحق اس کی عزت اور عظمت ہے۔

میری مسرت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تقریب قوم کے نوجوان طالب علموں کے زیرِ اہتمام منائی جا رہی ہے۔ وہ نوجوان، جن کے متعلق قائداعظمؒ نے (نومبر ۱۹۳۹ء میں اپنے پیغامِ عید میں) فرمایا تھا کہ

> ہم بڑے بوڑھوں کی کافی آزمائشیں ہو چکی ہیں۔ لیکن میں آج اپنے نوجوان دوستوں کے حلقہ میں بیٹھ کر انہیں بھلا دینا چاہتا ہوں۔ میں ان کے دلوں کے ان تاروں کو چھیڑنا چاہتا ہوں، جن میں تازہ ولولوں کے نغمے خوابیدہ ہیں۔ اس لئے کہ یہی نوجوان ہیں جن کے کندھوں پر ہماری آرزوؤں کے بروئے کار لانے کا بار پڑنے والا ہے۔

آج سے بیس اکیس سال پہلے کا ذکر ہے کہ انٹر کالجیئٹ مسلم برادرہڈ نے (جنوری ۱۹۳۸ء میں) پہلا یومِ اقبالؒ منایا جس میں شرکت کے لئے، ہمارا قافلہ، علامہ اسلم جیراجپوری (علیہ الرحمتہ) کے زیرِ قیادت، دہلی سے یہاں آیا۔ سامنے، لاء کالج کے ہال میں جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اُس وقت لاہور کے کالجوں کے در و دیوار، اقبالؒ کے پیغام اور جناحؒ کے نام سے گونج رہے تھے اور ایسا نظر آتا تھا کہ یہ نوجوان طالب العلم نہیں، عمل و عقیدت اور ذوق و شوق کا ایک کارواں ہے جو رقصاں و جنباں اور شاداں و فرحاں، جانبِ منزل کشاں کشاں جا رہا ہے۔ لیکن تشکیلِ پاکستان کے بعد رفتہ رفتہ ہوا یہ تھا کہ اقبالؒ کا پیغام اور قائداعظمؒ کا نام، دونوں نظر انداز ہوتے چلے گئے اور اب ایسے طالب العلم خال خال دکھائی دیں گے جنہیں ان سے کوئی دلبستگی اور پیوستگی باقی رہی ہو۔ ان حالات میں، انہی نوجوان طالب علموں کے ایک گروہ کا آگے بڑھ کر، ایسی تقاریب منانا، میرے نزدیک قوم کی نشاۃِ ثانیہ کی علامت اور اس کے مستقبل کی درخشندگی کی دلیل ہے۔ میں ان نوجوانوں کو، ان کے اس جذبہ اور عمل پر مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔

قائداعظمؒ سے میرا تعارف

عزیزانِ من! اوائل ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے، ایک شام مجھے پیغام ملا کہ قائداعظمؒ تمہیں یاد فرماتے ہیں۔ قائداعظمؒ اور مجھے یاد فرمائیں

جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

حاضر ہونے پر جو کچھ انہوں نے فرمایا اس کا ملخص یہ تھا کہ پاکستان کی جنگ میں، انگریز اور

ہندو نے جو محاذ قائم کر رکھا ہے اس کا مقابلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جو محاذ یہ "قال اللہ اور قال الرسول" کہنے والے مذہب کے نام پر قائم کر رہے ہیں (ان کا مطلب نیشنلسٹ علماء سے تھا) ان کا مقابلہ تمہیں کرنا ہو گا۔

میں ان لوگوں میں سے تھا جو ۱۹۳۰ء کے پاکستانی تھے جب حضرت علامہ (اقبالؒ) نے الہ آباد کے مشہور خطبہ صدارت، میں پاکستان کا تصور دیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بہت پہلے کے، جب انہوں نے فرمایا تھا کہ

نرالا سارے جہاں سے اسکو عرب کے معمار نے بنایا
بِنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے۔

میں قرآن کریم کے مطالعہ سے اس حقیقت تک پہنچ چکا تھا کہ اسلام کو دین (نظامِ زندگی) بننے کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت ہے اور یہی میرے نزدیک پاکستان کی تعریف (DEFINITION) تھی۔ لہٰذا اس سلسلہ میں میرے سپرد جو خدمت کی جا رہی تھی وہ میرا جزوِ ایمان تھی۔ مجھے اس سے بڑھ کر مسرت اور کس بات سے ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد طلوعِ اسلام کا اجراء ہوا۔ اور پھر نو دس برس تک یہ حالت رہی کہ میں دن بھر ہوم ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا تھا اور شام کو ۱۰ اورنگ زیب روڈ (قائداعظمؒ کے راحت کدہ) پر ہوتا تھا۔ میں جس قدر اُن کے قریب ہوتا گیا، میرے دل میں ان کی عظمت بڑھتی گئی۔ اس دوران میں بعض ایسی باتیں بھی سامنے آئیں جن کی یاد آج بھی میرے لئے وجۂ شادابی قلب و نظر ہے۔ لیکن یہ موضوع الگ ہے مجھے اس وقت اس عنوان پہ آنا چاہیئے جو میری تقریر کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ یعنی قائداعظمؒ کے نزدیک اسلامک آئیڈیالوجی سے کیا مفہوم تھا اور اسے انہوں نے کس انداز سے پیش کیا۔

بہت بڑی کمی

برادرانِ عزیز! یہ سمجھنے کے لئے کہ قائداعظمؒ کے سامنے معاملہ کیا تھا۔ انکی دشواریاں کیا تھیں۔ انہوں نے ان تمام دشواریوں پر کس طرح قابو پایا اور پاکستان کا کونسا تخیّل اپنوں اور بیگانوں کے سامنے پیش کیا، ضروری ہے کہ ہمیں اس دور کا پس منظر معلوم ہو۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج ہمارے پاس نہ تو قائداعظمؒ کی کوئی قابلِ اطمینان "سوانح حیات" ہے اور نہ ہی ہماری اُس جنگِ آزادی کی کوئی مفصّل اور مستند تاریخ۔ آج تو پھر بھی، ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جنہوں نے اس جنگ میں خود حصّہ لیا یا اس کے مناظر دیکھے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد، جب یہ لوگ اٹھ جائیں گے، تو آنے والی نسلوں کے لئے یہ داستان ایک افسانۂ کہن بن کر رہ جائے گی۔ قوم کے مستقبل کے لئے اس کے ماضی کی سچّی اور صحیح تاریخ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

آج عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بالفاظِ صحیح یوں کہیئے کہ ایک منظم کوشش کے ماتحت" یہ اثر

پیدا کیا گیا ہے (اور یہ کوشش ان لوگوں کی طرف سے ہوئی ہے جو اس زمانہ میں نظریہ پاکستان کے خلاف تھے اور، ابھی تک پاکستان میں رہنے کے باوجود، وہ دل سے پاکستانی نہیں ہو سکے) کہ اس کشمکش میں مسئلہ زیر نزاع فقط اتنا تھا کہ کانگریس (یعنی ہندو اور قومیت پرست مسلمان) یہ چاہتے تھے کہ سارے ہندوستان میں، ہندوؤں اور مسلمانوں (سب کی) مخلوط حکومت قائم ہو، اور "تفرقہ پسند" (SEPARATIONISTS) یعنی مسلم لیگ کے حامی — یہ چاہتے تھے کہ ہندوؤں کی الگ حکومت ہو اور مسلمانوں کی الگ۔ اور ان کا یہ مطالبہ "انگریزوں کے اشارے" پر تھا جو ہندوستان کو آزادی دینا نہیں چاہتے تھے۔

کانگریس کے عزائم

لیکن برادرانِ من! بات اس سے کہیں گہری اور الگ تھی۔ کانگریس کے عزائم کیا تھے؟ اس کا نصب العین کیا تھا؟ وہ ہندوستان میں کیا چاہتی تھی؟ اس کے متعلق مجھ سے نہیں، بلکہ خود کانگریس کے نہایت ذمہ دار حضرات کی زبان سے سنیئے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکرٹری، اچاریہ کرپلانی نے، اگست ۱۹۳۹ء میں ایک طویل بیان شائع کیا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ کانگریس کے سامنے مقصد کیا ہے میں ان کے اس بیان کا اقتباس آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اسے غور سے سنیے۔ انہوں نے کہا تھا:

"وہ لوگ جو کانگریس کے پروگرام کو تو مانتے ہیں لیکن اس سیاسی عقیدہ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جس پر گاندھی جی نے کانگریس کے پروگرام کی بنیاد رکھی ہے، وہ درحقیقت نہ تو کانگریس کی حالیہ تاریخی ترقی سے واقف ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ گاندھی جی کے فلسفۂ حیات (آئیڈیالوجی) نے کانگریس میں کیا مرتبہ حاصل کر لیا ہے ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اب کانگریس صرف ایک ایسی سیاسی جماعت نہیں جو ملک کو پردیسی اقتدار سے آزاد کرانا چاہتی ہے بلکہ یہ ہماری معاشرت کی موجودہ حیثیت کو بالکل بدل دینا چاہتی ہے اور اس کی بنیاد ایک بالکل نئے فلسفہ پر رکھنا چاہتی ہے جب تک کانگریس پر گاندھی جی کا اثر غالب نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک کانگریس کے لیڈروں کا خیال تھا کہ ہماری سیاسی غلامی کو ہماری معاشرتی حالت سے براہِ راست کوئی بنیادی تعلق نہیں اس لئے ان لیڈروں نے یہ طے کیا تھا کہ کانگریس کا یہ کام نہیں کہ وہ معاشرتی اصلاح کے کاموں میں دخل دے۔ وہ اسے بالکل سیاسی جماعت رکھنا چاہتے تھے۔ اُس زمانے میں یہ ممکن تھا کہ مختلف معاشرتی نظریئے رکھنے والے لوگ سیاسی حیثیت سے ایک محاذ پر جمع ہو جائیں۔ گویا ان لوگوں نے زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک سیاسی زندگی۔ دوسری معاشرتی زندگی۔ لیکن گاندھی جی نے آکر اس اصول کو توڑ دیا۔ انہوں نے پرانے ڈاکٹروں کی تشخیص کو غلط قرار دے کر بتایا کہ ہماری سیاسی غلامی کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہم اپنی اخلاقی، روحانی اور معاشرتی زندگی سے جُدا کر سکیں۔ اسلئے

ہماری سیاسی جدوجہد کو معاشرتی اخلاقی اور روحانی جدوجہد کے ساتھ وابستہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔ گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ ہمارا کام صرف یہی نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ سے چھین کر اہلِ ملک کے ہاتھ میں دیدیں بلکہ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم اپنی تمام جدوجہد کی بنیاد کسی ایسے فلسفۂ حیات پہ رکھیں جس کے دائرے میں ہماری معاشرت۔ اخلاق اور روحانیت سب کچھ داخل ہو۔ بالفاظ دیگر ہماری تحریک کو صرف سیاسی نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اسے روحانی اور اعلیٰ فلسفۂ زندگی کے ماتحت ہونا چاہیئے تاکہ اس جدوجہد سے نہ صرف ہماری سیاسی زندگی متاثر ہو بلکہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہو اور ہماری زندگی کا ایک بالکل نیا باب شروع ہو جسے ہم تاریخ کا نیا دور کہہ سکیں۔ زندگی کا یہی وہ نیا باب اور نیا دور ہے جسے گاندھی جی کانگریس کے ذریعے ہندوستان میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مہاتما گاندھی" کیا تھے

اس اقتباس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ کانگریس کا نصب العین ہندوستان میں ایسے معاشرہ کا قیام تھا جو "مہاتما گاندھی" کے پیش کردہ فلسفۂ حیات پہ مبنی ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "مہاتما گاندھی" کس فلسفۂ حیات کے معتقد تھے۔ سو اس کی بابت خود انکی اپنی زبان سے سنیئے انہوں نے اپنے متعلق لکھا تھا کہ :-

میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیونکہ میں ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں۔ اوتاروں کا قائل ہوں اور تناسخ پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ میں گؤ رکھشا کو اپنے دھرم کا جزو سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا . . . . . میرے جسم کا رُواں رُواں ہندو ہے۔

(بحوالہ خطبہ صدارت، قائدِاعظمؒ، آل انڈیا مسلم لیگ سیشن، دہلی مورخہ ۲۴ اپریل ۴۳ء)

یہ تھا، برادرانِ عزیز! وہ مہیب خطرہ جس سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے قائدِاعظمؒ، انگلستان میں بودوباش اختیار کر لینے کے بعد، پھر ہندوستان آئے اور میدانِ سیاست میں اترے تھے۔ انہوں نے آکر اعلان کیا کہ مسلمان اپنا جداگانہ تصورِ زندگی۔ جداگانہ فلسفۂ حیات۔ جداگانہ کلچر رکھتے ہیں

قائدِاعظمؒ کا اعلان

اس لئے وہ اپنے آپ کو کسی اور فلسفۂ حیات میں جذب نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے مدراس سیشن (سنہ ۱۹۴۱ء) کے خطبہ صدارت میں فرمایا:-

مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں اس لئے انھیں کسی دوسری قومیت میں جذب کرنے یا ان کے نظریات اور ملّی تشخص کو مٹانے کے لئے جو کوشش کی جائے گی اس کی سخت مخالفت کی جائے گی۔ ہم نے

تہیہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے جداگانہ قومی تشخص اور جداگانہ حکومت کو قائم کر کے رہیں گے۔
انہوں نے (۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) میں، اپنی تقریر کے دوران کہا:۔
ہندو اور مسلمان خواہ ایک گاؤں یا ایک شہر ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں وہ کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے وہ ہمیشہ الگ الگ عناصر کی حیثیت سے رہے ہیں۔
انہوں نے لیگ کے کراچی سیشن میں، ان نقاط کو زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا اور صراحت سے بتایا کہ جب ہم کہتے ہیں کہ مسلمان اپنا مخصوص فلسفۂ حیات رکھتے ہیں اور ایک جداگانہ قوم ہیں، تو اس کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے پہلے یہ سوال کیا کہ:۔
"وہ کیا چیز ہے جس نے مسلمانوں کو ایک رشتے میں پرو رکھا ہے وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملی عمارت کی بنیاد ہے۔ وہ کون سا لنگر ہے جس سے ان کی کشتی بندھ رہی ہے"؟
اور اس کے بعد خود ہی اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:۔
ان سوالوں کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ یہ محکم رشتہ۔ یہ سنگین چٹان۔ یہ آہنی لنگر، خدا کی وہ کتاب عظیم (قرآن) ہے جس نے تمام مسلمانوں کو جسدِ واحد بنا رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں وحدت زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس لئے کہ ہمارا خدا ایک۔ خدا کی کتاب ایک۔ اس کا رسول ایک۔ اس لئے ہماری ملت بھی ایک ہے۔
یہ کہہ کر، قائداعظمؒ نے (گویا) بھڑوں کے چھتے میں پتھر مار دیا "مہاتما گاندھی" پھنکارتے ہوئے اٹھے اور انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں فرمایا:۔
میری روح اس بات کے تصور سے بغاوت کرتی ہے کہ اسلام اور ہندومت مختلف اور متضاد کلچر اور نظریۂ حیات کے حامل ہیں۔ کسی ایسے نظریہ کا تسلیم کر لینا میرے نزدیک خدا کے انکار کے مرادف ہے۔ کیونکہ میرا قلبی عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کا خدا بھی وہی ہے جو گیتا کا ہے۔ (ہندوستان ٹائمز ۴/۴۰ ۱۴)
اس پر بھی ان کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو لکھا کہ
میں ایک تنگ نظر ہندو مت یا تنگ نظر اسلام کا تصور نہیں کر سکتا۔ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے۔ اور ایک بہت بڑی قوم ہے جو مختلف تہذیبوں پر مشتمل ہے اور یہ تہذیبیں ایک دوسری میں جذب ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ لیکن مسلم لیگ نے مسلمانوں کو یہ سبق پڑھانا شروع کر دیا ہے کہ یہ تہذیبیں ایک دوسرے میں جذب نہیں ہو سکتیں۔
(ہندوستان ٹائمز ۵/۴۰ ۱۵)
لیکن قائداعظمؒ پر ان باتوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کسطرح دب جائے جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

مسٹر گاندھی کے نام

انہوں نے یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو "مسٹر گاندھی" کے نام وہ معرکہ آرا خط لکھا جو تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خط کافی مفصل ہے اور اس قابل کہ اس کا بار بار مطالعہ کیا جائے۔ میں اس کا مختصر سا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے اس میں (مسٹر گاندھی کو) لکھا کہ :-

آپ آج اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے لیکن کل تک جب آپ سے پوچھا جاتا تھا کہ زندگی میں آپ کا نصب العین کیا ہے ؟ وہ کونسا جذبۂ محرکہ ہے جو انسان کو کسی مقصد کے حصول کے لئے آمادہ کرتا ہے ؟ کیا وہ سیاست ہے، معاشرت ہے یا مذہب ہے تو آپ کا جواب یہ ہوتا تھا کہ وہ مذہب۔ اور خالص مذہب ہے۔ کل تک تو آپ یہ کہتے تھے اور آج آپ مجھ سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم مذہب کو سیاست میں کیوں گھسیٹ لائے ہو۔ سن لیجئے میرے نزدیک زندگی کا کوئی شعبہ ہو، مذہب انسان کے ہر عمل کو اخلاقی بنیاد عطا کرتا ہے۔ اگر مذہب کو بیچ میں نہ لایا جائے تو انسان کی زندگی میں شور و شغب کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے ؟

اس پہ چاروں طرف سے مخالفت کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے لیڈر، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے کہا کہ :-

نہیں۔ اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا نظامِ حکومت قائم کیا جا سکے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کرلیں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ضمیر، مذہب، خدا کو ان کے مناسب مقام، یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کا تو تصور بھی ناممکن ہے کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظامِ حکومت قائم رہ سکتا ہے۔ عہدِ حاضر میں بہترین نظامِ حکومت کی بنا اس نظریہ پر قائم ہوسکتی ہے کہ جغرافیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیت بن جائیں۔[1]

(ہندوستان ٹائمز ۵ ۹/۳۸)

اور تمام ہندو پریس میں چیخ و پکار شروع ہوگئی کہ "مسٹر جناح" پاکستان کا نیا (STUNT) لے کر آگئے ہیں۔

---

[1] واضح رہے کہ تقریر میں ان اقتباسات کو ربطِ مضمون کے لئے اسی تسلسل سے پیش کیا گیا تھا۔ نہ کہ ان بیانات کی تاریخی ترتیب کی رُو سے۔ مقصد یہ بتانا تھا کہ اس زمانے میں کانگریسیوں کے خیالات کیا تھے۔ اور قائدِاعظمؒ ان کا کیا جواب دیتے تھے ؟

اس پہ قائداعظمؒ نے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے فرمایا کہ :۔

"پاکستان کوئی نئی چیز نہیں۔ یہ تو صدیوں سے موجود ہے۔ شمال مغربی اور شمال مشرقی ہند، مسلمانوں کا حقیقی ملک ہے جہاں آج بھی ستّر فی صد سے زیادہ ان کی آبادی ہے۔ ان علاقوں میں ایسی آزاد اسلامی حکومت ہونی چاہیئے۔ جس میں مسلمان اپنے مذہب۔ اپنے کلچر اور اپنے قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

آزاد اسلامی حکومت

یہ تقریر انہوں نے دسمبر ۱۹۴۰ء میں احمد آباد کے ایک جلسہ عام میں کی تھی۔ جلسہ میں، اقلیت کے صوبوں کے بہت سے مسلمان بھی موجود تھے (خود قائداعظمؒ بھی اقلیت کے صوبہ سے متعلق تھے) آپ نے ان مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا :۔

ہم اقلیت کے صوبہ والوں پہ جو گذرتی ہے گذر جانے دو لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کرا دیں جو اکثریت میں ہیں تاکہ وہ اسلامی قوانین کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کر سکیں۔

قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے نصب العین اور پاکستان کے مفہوم کو اس شد و مد سے پیش کیا اور اس اصرار و تکرار سے دہرایا تھا کہ کسی کو اس کے متعلق کوئی مغالطہ نہیں رہا تھا۔ مثلاً ۱۹۴۰ء کا ذکر ہے کہ یہ تجویز زیرِ غور تھی کہ کانگریس، مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط حکومتیں قائم کرے۔ اس پر مسٹر ستیہ مورتی نے کہا تھا کہ :۔

کانگریس اس مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت کسطرح بنا سکتی ہے جس کا نصب العین اسلامی حکومت کا احیاء ہو۔ (ہندوستان ٹائمز ۱۱-۶-۴۰)

قرآنی حکومت

۱۹۴۱ء میں، لدھیانہ میں "اکھنڈ ہندوستان کانفرنس" منعقد ہوئی جس کے صدر مسٹر منشی تھے۔ انھوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:۔

تمہیں کچھ معلوم ہے کہ پاکستان کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے۔ نظریہ پاکستان سے مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ گوشوں میں اپنے لئے ایسے مساکن بنا لیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھو کہ پاکستان مسلمانوں کا ایسا خطہ ہوگا جس میں اسلامی حکومت قائم ہو۔ اس کے برعکس تم جانتے ہو کہ اکھنڈ ہندوستان کے سامنے کیا مقصد ہے؟ اس کا مقصد وہ عظیم الشان کلچر ہے جسے ہندی کلچر کہا جاتا ہے۔ وہ کلچر جو زمانۂ قبل از تاریخ میں پیدا ہوا۔ اور چھ ہزار سال کی مدت مدید میں بڑھتا، پھولتا، پھلتا، زمانہ کی سطح کو یوں روندتا ہوا آگے بڑھتا گیا جس طرح مادرِ گنگا طوفان کے وقت امنڈتی چلی جا رہی ہو۔ (ٹریبون ۲-۱۱-۴۱)

خطبے کے آخر میں مسٹر منشی نے مسلمان قومیت پرستوں کو مخاطب کرکے کہا کہ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے مسلم عوام تک پہنچ کر انہیں اس نظریۂ افتراق (پاکستان) کے خطرات سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟ جلسہ میں جمعیتہ العلماء کے ایک رکن تشریف فرما تھے۔ انہوں نے ابھر کر کہا کہ ہم نظریۂ پاکستان کی مخالفت کریں گے۔ کیونکہ یہ نظریہ اسلام کے خلاف ہے!

(بحوالہ ہندوستان ٹائمز)

پاکستان کے مخالف

آپ کو آج اس پہ یقیناً حیرت ہوتی ہوگی کہ وہ کونسا مسلمان ہوسکتا تھا جو اس نظریہ کو خلافِ اسلام قرار دے کہ مسلمان ایک آزاد خطہ میں، اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں زندگی قرآنِ کریم کے اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے۔ لیکن اس نظریہ کی مخالفت ہوتی تھی اور سخت مخالفت ہوتی تھی! یہ مخالفت کرنے والے کون تھے؟ جمعیۃ العلماء ہند، جس کے سرغنہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید وغیرہم "علمائے کرام" تھے بہار میں اس کے مخالف، انصار، پنجاب میں مجلسِ احرار اور جماعتِ اسلامی، سرحد میں سرخپوش، یہ سب اس مطالبہ کے خلاف تھے کہ مسلمان اپنی آزاد حکومت قائم کریں جس میں طرزِ زندگی اسلامی قالب میں ڈھل جائے۔ یا للعجب!

میں نے پہلے کہا ہے کہ ہندو اچھی طرح سے جانتا تھا کہ نظریۂ پاکستان سے مفہوم کیا ہے اور جداگانہ قومیت کی بنیاد کس اصول پہ ہے۔ جب قائداعظمؒ نے ۱۹۳۹ء میں) اپنا پیغامِ عید نشر کیا جس میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے تصوّر کی وضاحت کی، تو "مہاتما گاندھی" کے پرائیویٹ سیکرٹری، مسٹر مہادیو ڈیسائی نے، اخبار ہری جن میں ایک مقالہ لکھا جس میں اس نے کہا کہ:

ایک جداگانہ قومیت کا تخیّل ہی اس خیال سے پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب دوسرے مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے۔ (ہری جن ۱۱/۳۹ ۲۵)

قائداعظمؒ نے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا تصوّر دے کر اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اس میں شک کیا ہے کہ اسلام کا مقابلہ کوئی دوسرا مذہب نہیں کرسکتا۔ لیکن اُدھر سے مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر

عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پہ پائی جاتی ہیں۔ قرآن نے نوعِ انسان کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا یہ اصول پیش کیا ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں[1]۔ لیکن پیروانِ مذاہب سچائی سے منحرف ہوگئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائیوں کو ازسرِنو اختیار کرلیں تو میرا مقصد پورا ہوگیا۔

(ترجمان القرآن، جلد اوّل، تفسیر سورۂ فاتحہ)

---

[1] قرآن نے کہاں ایسا کہا ہے؟

اس طرح انہوں نے "مہاتما گاندھی" کے اس فلسفہ کی "قرآنی" سند بہم پہنچا دی کہ قرآن اور گیتا ایک ہے۔ اس لئے اسلام کو ہندو مت پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ یہ انہی "مہاتما جی" کا خط جن کے "جسم کا رواں رواں ہندو تھا"۔ لیکن، جناب آزاد، نے جن کے متعلق، اپنے رام گڑھ کانگریس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ :-

وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی "روحِ عظیم" کو کبھی تھکنے نہیں دیتا۔

اللہ اکبر! وہ شخص جو اپنے آپ کو فخر سے بُت پرست کہتا ہے اسے "روحِ عظیم" کا حامل بتایا ہے۔ بہرحال، یہ تھا ہندو کے پاس "جناح" کے مطالبۂ اسلامی حکومت کا توڑ۔ انہوں نے مولانا آزاد کی اس تفسیر کا ہندی زبان میں ترجمہ کرا کر اس کی عام اشاعت کی۔ دوسری طرف "واردھا کی تعلیمی اسکیم" کے ذریعے (جسے پھر، بدقسمتی سے ایک مسلمان ـــ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب کی طرف منسوب کر کے شائع کیا گیا تھا) اس نظریہ کو بچوں کے نصاب میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ کچھ برادرانِ عزیز! مذہب کے علمبرداروں کی طرف سے، جُبّوں اور قبّوں، عماموں اور دستاروں سے مرصع ہو کر کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف، ایک ہیٹ اور سوٹ پوش "مسٹر" تھا ـــ جس کے متعلق جماعتِ اسلامی کے امیر، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بڑے طنز اور تحقیر سے کہتے رہتے تھے کہ ان کی ذہنیت مغربی تعلیم و تربیت کی تخلیق ہے اور

ان کے خیالات، نظریات اور طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خورد بین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔

(سیاسی کشمکش مطبوعہ ترجمان القرآن جلد ۱۷ عدد ۶ ص ۹۶)

دعوت الی القرآن

وہ کاروانِ ملّت کو برابر قرآن کی طرف دعوت دیئے چلا جاتا تھا۔ اس نے سنہ ۱۹۴۵ء میں اپنے عید کے پیغام میں قوم سے کہا کہ :-

اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے احکام صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں۔ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "بحر اطلانطک سے لے کر گنگا تک، ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے جس کا تعلق صرف الٰہیات سے نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے جس کے قوانین نوعِ انسانی کے تمام اعمال و اموال کو محیط ہیں اور وہ قوانین منشائے خداوندی کے مظہر ہیں"۔

اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ یہ ضابطۂ حیات، مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول، فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہے۔ مذہبی رسوم ہوں یا روزمرّہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات

کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا۔ اجتماعی واجبات کا سوال ہو یا انفرادی حقوق کا۔ اخلاقیات کا معاملہ ہو یا جرائم کا۔ اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا۔ ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہیئے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جانا چاہیئے۔"

اس پر یقیناً ہر شخص کو تعجب ہو گا کہ جس شخص کے خیالات میں خورد بین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہ دیکھی جا سکتی تھی"۔ اس نے دین کے ان غوامض کو کہاں سے حاصل کر لیا؟ ؎

سرِّ خدا کہ زاہد و عابد بکس نگفت ۔۔۔ در حیرتم کہ بادہ کشاں از کجا شنید

اس کا جواب، اقبالؒ کے ان الفاظ کے علاوہ اور کیا دیا جا سکتا ہے کہ ؎

خِرد نے اس کو عطا کی نظر حکیمانہ ۔۔۔ سکھائی عشق نے اس کو حدیثِ رندانہ

اس نے اپنی خدا داد بصیرت سے، خالی الذہن ہو کر، خدا کی کتاب کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اس کتابِ عظیم نے اپنے یہ حقائق اس پر واشگاف کر دیئے تھے۔

برادرانِ عزیز! وقت تیزی سے دوڑ رہا ہے اور یہ داستان ابھی طویل ہے۔ لیکن میں اسے ایک اقتباس پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ اگست ۱۹۴۱ء میں قائداعظمؒ حیدر آباد (دکن) تشریف لے گئے۔ وہاں چند نوجوانوں نے آپ سے انٹرویو لیا اور کچھ سوالات پوچھے۔ یہ سوال و جواب، اورئینٹ پریس کی وساطت سے باہر آئے۔ آپ انہیں سنیئے اور پھر غور کیجئے کہ جس اختصار اور جامعیت سے اسلامی حکومت کے خصائص اور لوازم کو، اس "رہبرِ فرزانہ" نے بیان کیا ہے۔ اس پر کسی اضافہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ غور سے سنیئے۔

اسلامی حکومت کے خصائص

سوال :۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب :۔ جب میں انگریزی زبان میں مذہب (RELIGION) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورہ کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعوٰے ہے البتہ میں نے قرآنِ مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور سیاسی طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصّہ ہے اس سے

بہتر تصوّر ناممکن ہے۔

سوال :۔ اس سلسلہ میں اشتراکی حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ؟

جواب :۔ اشتراکیت ۔ بالشویت یا اسی قسم کے دیگر سیاسی اور معاشی مسلک ۔ دراصل اسلام اور اس کے نظامِ سیاست کی غیر مکمّل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں ۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط اور تناسب و توازن نہیں پایا جاتا ۔

سوال :۔ ترکی حکومت تو سیکولر اسٹیٹ ہے ۔ کیا اسلامی حکومت اس سے مختلف ہے ؟

اس سوال کا پہلا حصّہ تو ایک جداگانہ عنوان سے متعلق ہے لیکن دوسرے حصّہ میں جو کچھ قائدِ اعظمؒ نے کہا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ پہ بار بار غور کیا جائے ۔ اس لئے کہ یہ جواب ان تمام پیچیدگیوں کو صاف کر دیتا ہے جو اسلامی آئین اور اسلامی حکومت کے متعلق آجکل عام طور پہ ذہنوں میں پائی جاتی ہیں ۔ آپ نے جواب میں فرمایا :۔

جواب :۔ ترکی حکومت پر میرے خیال میں سیکولر سٹیٹ کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی ۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصوّر کا امتیاز تو یہ بالکل واضح ہے ۔

اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں ۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی ۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی ۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعیّن کرتے ہیں ۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے ۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے ۔

برادرانِ عزیز ! ان الفاظ پہ پھر غور کیجئے کہ

۱۔ اسلامی حکومت میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں ۔

۲۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی ۔ نہ کسی اور شخص کی نہ ادارہ کی

۳۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعیّن کرتے ہیں ۔

۴۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے ۔

فرمایئے ! کیا اسلامی حکومت کے اصول و معانی کے متعلق اس سے زیادہ صاف ، واضح اور جامع بات کچھ اور بھی کی جاسکتی ہے ؟

یہ تھی برادرانِ عزیز ! وہ اسلامک آئیڈیالوجی جسے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ پیش کرتے تھے

اور وہ تھے حالات جن میں انہوں نے اس آئیڈیالوجی کو پیش کیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ میری ان مختصر سی معروضات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ ہماری جنگِ آزادی سے مفہوم کیا تھا۔ وہ کونسا خطرہ تھا جس سے ملّت کو بچانے کے لئے، قوم کا یہ مشفق و غمخوار، دوبارہ میدانِ سیاست میں آیا تھا۔ ہندوؤں کے مشئوم عزائم کیا تھے اور ان کے ہمنوا مسلمان افراد اور جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیا کرنا چاہتی تھیں! اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا ہوگا کہ پاکستان کی سرزمین حاصل کرنے سے حقیقی مقصود کیا تھا؟

اس کے بعد یہ ہماری انتہائی بدقسمتی تھی کہ اس خطۂ زمین کے حاصل ہونے کے ساتھ ہی، یہ کاروانِ سالار ہم میں باقی نہ رہا۔ اور اس کے بعد — اس کے بعد:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۱۹/۵۹)

اس کے بعد ایک طرف ایسے ناخلف پیدا ہوگئے جنہوں نے زندگی کے بلند مقاصد کو فراموش کر دیا۔ اعلیٰ اقدار کو ضائع کر دیا۔ اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے پڑ گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے اٹل قانونِ مکافات کے مطابق، تباہیاں ان کے سامنے آکر کھڑی ہوگئیں۔ دوسری طرف، وہی عناصر جو آخری وقت پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، نہایت ڈھٹائی سے پاکستان آگئے اور بڑے بڑے مقدس اور معصوم نقابوں میں، اُس آتشِ انتقام کے فرو کرنے میں مصروف ہوگئے جو قائدِ اعظمؒ کے ہاتھوں شکستِ عظیم سے ان کے دلوں میں بھڑک اٹھی تھی۔ ان سب حالات نے مل کر ہمیں اس مقام تک پہنچا دیا جس سے ہر شخص باخبر ہے۔

لیکن اس سے، برادرانِ عزیز! مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کتنی بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا جب انہوں نے کہا تھا کہ اس میں شبہ نہیں کہ دنیا کی ہر چیز بنتی اور بگڑتی، بگڑتی اور بنتی ہے۔

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر — کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

یہی وہ "مردِ خدا" ہے جسکی یاد منانے کیلئے ہم آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ یاد کہ جس سے ایکطرف ہر صاحبِ نظر کی یہ کیفیت ہے کہ

موجۂ گل سے چراغاں ہے گذرگاہِ خیال

اور دوسری طرف ہر قلبِ حساس کا یہ عالم ہے کہ ؎

فرشتے پونچھ لیتے ہیں میرے رخسار سے آنسو
الٰہی! آج کس کی یاد میں شبنم فشاں ہوں میں

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

(طلوعِ اسلام، بابت جنوری ۱۹۸۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

معراجِ انسانیّت

حسن عباس رضوی

معزز حاضرین و حاضرات! اسلام و رحمت

آؤ پھر فصلِ بہاراں کا کریں کچھ تذکرہ　　کچھ خیابان و گل و گلزار کی باتیں کریں

یہ تذکرہ اس ذاتِ اطہر و اقدس کا ہے کہ جس کا تذکرہ خالقِ کائنات خود قرآنِ حکیم میں اس طرح کرے کہ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ (۹۴/۴) "جوں جوں یہ کائنات اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی چلی جائے گی۔ ہم تمہارے ذکر اور مقام کو بلند سے بلند تر کرتے چلے جائیں گے" اس مقام کی نسبت سے ایک نباضِ فطرت اس ذاتِ یکتا کا تذکرہ اپنے الفاظ میں یوں کرتا ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو　　چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو　　بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے　　نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے　　(اقبال)

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (۳۳/۵۶)

مدتوں اُدھر کی بات ہے، تھکی ہاری انسانیّت، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں لڑکھڑاتی، اُمید و بیم کی کشمکش میں غلطاں و پیماں اپنے "براہیم" کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ شدّتِ آرزو میں بار بار اور پیہم پکار رہی تھی۔

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا　　اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا
در جہانِ ذکر و فکر و انس و حاں　　تو صلوٰۃِ صبح، تو بانگِ اذاں

اُدھر دعائے خلیل بھی قبولیّت کے لئے کروٹیں لے رہی تھی۔ دعائیں قبول کرنے والے کو یہ ادائے طلب و جستجو کچھ اس طرح پسند آگئی کہ بابِ رحمت کھل گیا، محبوبِ تمنا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ بن کر آیا اور وہ نسخۂ شفاء ساتھ لایا کہ جس سے فضائے بسیط کی مفلوج رگوں میں پھر سے حرارت پیدا ہو گئی، قلزمِ حیات میں، جس کے سوتے سوکھ چکے تھے تموّج پیدا ہو گیا، ربطِ حیات کے ساکت و جامد تاروں میں ربطِ ارتعاش پیدا ہو گیا۔ ابرِ رحمت کچھ اس انداز سے برسا کہ تہ در تہ صحرا کی ریگِ تپاں کے ذرّات غنچۂ ہائے ہوشربا بن کر اُبھرے، یوں کہئے کہ زمینِ مُردہ نے گلستان اُگل دیئے۔ سمائے نیلگوں نے بڑھ کر ارضِ خاکی کے قدم لئے کہ آج بستیوں نے رفعتوں کو اپنی آغوش میں لے لیا، گویا

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر تھے تمام　　یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

یہ نظارہ دیکھ کر قصرِ ثریا کے مکیں بے اختیار پکار اٹھے

برخیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد۔ این مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد

بایں ہمہ یہ کیفیت ابھی باقی تھی کہ

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں۔ کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

بننے والا تو مہِ کامل بن گیا۔ چشمِ بینا نے ارض و سمٰوٰت کی وسعتوں میں طبقاً طبقاً، زینہ بہ زینہ کمالِ معراج پر جلوہ بار ہوتے دیکھا۔ ایک بار نہیں بار بار دیکھا۔ اس حقیقت کی شہادت خالقِ کائنات اس طرح بیان کرتے ہیں، وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ (۵۳/۷) وہ ایسے مقام پر جلوہ افروز ہے جو علمِ انسانی کی وسعتوں اور بلندیوں دونوں کی انتہا ہے"۔ یہ ہے وہ ذات جو اس کا حق رکھتی ہے کہ اس کی ذات کو بنی نوعِ انسان کے لئے نمونہ قرار دیا جائے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳/۲۱)۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نمونہ کیسا ہو جسے انسانی کردار کی سمت کی صحت کی پرکھ (MODEL) سمجھا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد جب اپنے دوستوں اور اپنے قریبی عزیزوں کو اپنی بعثت کے مقصد سے آگاہ کر چکے (۲۶/۲۱۴) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب گھر اور خاندان سے باہر بستی والوں (اُمّ القریٰ) اور ان لوگوں کو بھی جو اس کے گرد و نواح میں بستے ہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دے۔ (۶/۹۲، ۴۲/۷) چنانچہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا "یا صباحاہ" لوگ چونک پڑے اور اضطراب کی حالت میں آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا یا معشرِ قریش اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری اس بات کو سچ مان لو گے۔ لوگوں نے جواب دیا ہم ضرور مان لیں گے کیونکہ تم پہاڑ کی اُس چوٹی پر کھڑے ہو جہاں سے تم ہر طرف کا مشاہدہ کر رہے ہو اور ہم پہاڑ کی اس طرف کھڑے ہیں جہاں سے پہاڑ کی دوسری سمت نظر نہیں آتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تمہاری روشِ زندگی سراسر غلط ہے جس کی پاداش میں تم پر ایک شدید عذاب آنے والا ہے۔ اور سنو! میں تمہیں اس بات سے صرف ڈراتا ہی نہیں بلکہ ایک مژدۂ جانفزا بھی سناتا ہوں کہ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ (۲۶/۱۶۲) "میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے امن و سلامتی کی ہزار ضمانتیں لے کر آیا ہوں" اگر تم میری رسالت اور اس ہدایت پر ایمان لے آؤ جو خدا کی طرف سے میں تمہارے لئے لایا ہوں تو تم اس صراطِ مستقیم پر چل کر ہر خطرے سے مامون ہو جاؤ گے اور کامیاب و کامران منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ جن کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ وہ حضورؐ کی رسالت اور پیغامِ خداوندی پر ایمان لے آئے۔ جن کے دلوں میں کجی تھی۔ انہوں نے دعوائے نبوت کی دلیل میں شہادت مانگی۔ اور شہادت بھی ایسی کہ شہادت دینے والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ اب نہ تو خدا محسوس شکل میں آ سکتا ہے اور نہ ہی جبرئیل حضورؐ بنفسِ نفیس سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی بات نہیں مانی جا رہی۔ اُدھر شہادت کا مطالبہ شدید ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر شہادت دینے والا حضورؐ سے افضل نہ ہو تو کم از کم حضورؐ جیسا ہی ہو۔ لیکن جو خود اقوامِ عالم کی نگرانی کرنے والا ہو۔ اس سے افضل

کون ہوسکتا ہے۔ (۲/۱۴۳) بہرحال نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ خداوندی کے بموجب پوری ذمہ داری اور متانت سے جواب دیا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰/۱۶) کیا میری تمام تر سابقہ عمر تم میں نہیں گزری؟ اور کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور یہ بھی کبھی سوچا ہے کہ کسی غیر نبی کی ایسی زندگی ہوسکتی ہے۔؟ برادرانِ عزیز! آپ لوگوں کے اس مطالبہ کو پھر سے سامنے لائیے جہاں وہ ایسے شہادتی کا مطالبہ کر رہے تھے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ تو حضورؐ نے ان کے جواب میں اپنا سابقہ کردار اور عمر جو انہیں میں گزری تھی، اور جسے ایک بار نہیں بلکہ چالیس سال تک لوگ دیکھتے رہے تھے شہادت کے طور پر پیش کردیا۔ اس میں حضورؐ کا بچپن بھی ہے اور بھرپور جوانی بھی۔ اور جوانی بھی ایسی جو سپیدہ سحر کی طرح بیداغ!!

برادرانِ مکرم! یہ ہے وہ نمونہ (MODEL)، یہ ہے علم الیقین اور کریکٹر کا مقام کمال جسے معراجِ انسانیت کہتے ہیں۔ میں اس مختصر وقت میں آپ سے اسی قدر عرض کرسکتا تھا ورنہ کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔

اس سلسلہ میں میں ایک اعتراف کرتا چلا جاؤں کہ میں نے زندگی بھر حضورؐ کی سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی اکثر کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے لیکن تسلّی نہ ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں مجھے ایک کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا جس کا نام "معراجِ انسانیت" ہے یہ کتاب ۸۳۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مصنف کا نام جناب غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ ہے۔ تعجب کی بات نہیں۔ حضورؐ کی سیرتِ طیبہ پر ایسی کتاب اس وقت تک میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ آج بھی کیفیت وہی ہے کہ مثلے ندارد۔ اس وقت میں اس کتاب سے صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جہاں جناب پرویز، ختمی المرتبت کی لائی ہوئی ہدایت کا جملہ سابقہ انبیاء کرام کی لائی ہوئی ہدایت کے (VOLUME) سے تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبویؐ میں اتاری گئی ...... وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے، یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے، یہاں یہ ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہوگئے تھے۔ جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے یہ مالا۔ وہ پتیاں تھیں یہ پھول۔ وہ ذرّے تھے یہ چٹان۔ وہ قطرے تھے یہ سمندر۔ وہ ستارے تھے یہ کہکشاں۔ وہ افراد تھے یہ ملت۔ وہ نقطے تھے یہ خطِ مستقیم وہ ابتدا تھی یہ انتہا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃً للعالمینی انتہا است!

اب میں مہربانانِ ضمیر و نگاہ سے پوچھتا ہوں کہ جس شخص کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ احساسات ہوں اور ان کی نبوّت کاملہ پر اس طرح کا ایمان ہو، یہی نہیں بلکہ اپنے افکار پر مشتمل

(باقی صـ۳۲ پر)

دین کی باتیں

★ قرآن فرد کی اہمیت یہ بتاتا ہے جیسے گھڑی کا ہر پرزہ اس کو چالو رکھنے کے لئے ضروری ہے اسی طرح انسانیت کی بہبود مندی کے لئے ہر فرد کا صالح ہونا بہت ضروری ہے۔ لیکن بات اجتماعیت سے پیدا ہوتی ہے۔ انسانی زندگی باہمی ربط و ضبط کی زندگی ہے۔

★ خدا کا قانون ہمارے اس فعل کا محتاج نہیں ہے کہ سپاہی دیکھے تو پکڑے نہ دیکھے تو نہ پکڑے جاؤ۔

★ ظالم کی موت مظلوم کی زندگی کا باعث بنتی ہے۔ ؎

مرگِ تو اہل جہاں را زندگی ایست

★ جہاں تک ہدایت و رہنمائی کا تعلق ہے قرآن بڑی آسان کتاب ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے حقائق کا تعلق ہے ان کو سمجھنے کے لئے بڑی بلند فکر، بالغ دماغی۔ عقلِ رسا اور پختہ فہم و شعور کی ضرورت ہے۔

★ رحمت۔ اس طرح نشو و نما پانا کہ محسوس و معلوم بھی نہ ہو کہ نشو و نما ہو رہی ہے جیسے رحم مادر میں جنین کی پرورش۔ اس قسم کی نشو و نما میں وہ بچہ محتاج ہوتا ہے نہ کسی کا احسان مند۔ اور ماں اس کے شکریہ کی بھی طالب نہیں ہوتی۔

★ ہزار برس سے ہمارے اذہان کے "سوچ آف" کر دیئے گئے ہیں۔ اپنی ساری تاریخ میں دیکھئے۔ جس کسی نے بھی ذرا غور و فکر سے کام لیا اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

★ اس درخت پہ بہار نہیں آتی جس کی جڑ کو کیڑا کھا گیا ہو۔

★ دین کو مذہب میں تبدیل کیا۔ دنیا کو بیچ میں سے ہٹایا اور بات قیامت تک چھوڑ دی یعنی اب تو آرام سے گذرتی ہے آخر کی خبر خدا جانے۔ جب قیامت تک بات اُٹھا دی جائے تو پھر نظری تصور باقی رہ جاتا ہے۔ عملی طور پر کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

★ جب تک کوئی قوم اپنی اگلی نسل اپنے جیسی پیدا کرتی چلی جائے گی اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ وہ قرآن کی طرف نہیں آسکتی۔

★ ناہمواریاں پیدا کرنے والے نظام میں ناہمواریاں مستقل ہو جاتی ہیں۔
★ استبداد انسانیت کی بدترین شکل خود ساختہ قوانین کو خدا کا فرمان بتا کر اس کے نام پر نافذ کرنا ہے۔
★ اگر قوانینِ خداوندی میں انسانی قوانین کی ذرا سی بھی آمیزش ہو جائے تو وہ شرک ہو جاتا ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو خدا کے قوانین کے برابر قرار دینا شرک ہے۔ خدا کے قوانین ابدی ہیں اور انسانوں کے قوانین ہر آن بدلنے والے۔ وہ کس طرح قوانینِ خداوندی کی شانِ الوہیت تک پہنچ سکتے ہیں۔
★ ایمان یہ نہیں، کہ میں خدا کو مانتا ہوں، ایمان یہ ہے کہ میں صرف خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت کرتا ہوں۔ اور جو اس پر عمل کرتا ہے وہی سو فیصد یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔
★ دنیا میں ساری کشمکش اسی وجہ سے ہے کہ انسانوں کے حقوق انسان مقرر کرتے ہیں۔ نظامِ خداوندی میں ہوتا یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے حقوق کو مقرر کرتا ہے۔ جس کے بعد کسی ناہمواری کی گنجائش نہیں رہتی۔
★ قرآن کریم کی بنیادی تعلیم یہی ہے کہ اس نے دو راستے بتا دیئے ہیں ایمان اور کفر۔ اسطرح پوری دنیا میں دو ہی گروہ ہیں اور یہی بنیاد ہے جسے دو قومی نظریہ کہتے ہیں۔
★ مکافاتِ عمل کی دنیا میں باپ بیٹے کو چھوڑ دے گا۔ کوئی کسی کی ذمہ داری نہیں اٹھائے گا۔
★ زندگی کبھی خلا (ویکم) میں جیتی نہیں۔ انسان اگر خدا پر ایمان نہیں لاتا تو شیطان پر اسے ایمان لانا پڑتا ہے۔
★ دین اور مذہب میں فرق یہ ہے کہ دین میں ہر قدم آگے اٹھتا ہے۔ مذہب میں قدم وہیں جم جاتا ہے۔
★ قرآن کے زمانے تک کی فکر کی رُو سے زندگی ایک دائرے کی شکل میں چلتی تھی قرآن نے بتایا کہ یہ غلط ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صراطِ مستقیم۔ سیدھا آگے ہی آگے۔
★ پرانی کتابیں علم نہیں معلومات ہیں، اگر ان سے آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا نہ ہو۔
★ اخلاق کیا ہوتا ہے؟ انسان کے اندر جو صلاحیتیں ہیں ان میں صحیح تناسب و توازن قائم رکھنا
★ قرآنی زندگی میں ایک ایک سانس کے اندر جہاد ہے۔
★ کبھی جان کو سنبھال کر رکھنا زندگی ہے اور کبھی جان کو دے دینا زندگی ہے۔
★ انسان کے دل سے غلط عقائد کو نکالنا بڑا صبر آزما بڑا ہمت طلب کام ہے۔
★ قرآنی اقدار و اصول کی حدود کے اندر جس طرح بھی زندگی بسر کی جاتی ہے۔ وہی قومِ متعلقہ کا تمدن ہوتا ہے۔

★ قرآن کریم پہلا تقاضا عصمت کا مردوں سے کرتا ہے کہ بڑے راز کی بات ہے کہ مرد اگر با عصمت ہوں تو عورتیں بے عصمت ہو نہیں سکتیں۔
★ مذہب میں انسان صرف الفاظ پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ دین ہر مقام پہ لفظ کا مفہوم پوچھتا ہے، متعین کرتا ہے اور اگلی بات اسے عمل میں لانے کی ہے۔
★ زندگی میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ جھکنا اور اٹھنا۔ مگر اس ادراک کے ساتھ کہ کس وقت جھکا جائے اور کس وقت اٹھا جائے۔
★ جو ذوقِ جمالیات سے محروم ہوتا ہے اس کے ارتقا میں کمی رہ جاتی ہے، وہ حیوانی سطح پہ ہوتا ہے۔ انسانی سطح تک نہیں پہنچا ہوتا۔
★ اِفادی پہلو اور ذوقِ جمال کا امتزاج اسلامی زندگی ہے۔ دین تکمیل تک یوں پہنچتا ہے۔
★ یہ ساری بکھری ہوئی کائنات ایک دوسرا قرآن ہے۔ کائنات کی ایک ایک پتی میں چھ چھ ہزار آیات پوشیدہ ہیں۔
★ اگر تم خدا کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو تمہاری زندگی نہایت حسین قالب میں ڈھل جائے گی۔
★ غیر قرآنی نظام میں خواہ وہ معاشرتی ہو، معاشی ہو، سیاسی ہو، اس میں کسی امر کے متعلق کہ وہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، نہ صرف بے معنی بات ہے بلکہ دنیا میں اسلام کا مضحکہ اڑانا ہے۔
★ قرآن نے معاشی نظام کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ اس لئے کہ یہ روٹی کی احتیاج ہے جس کی رُو سے انسان کو سب سے زیادہ ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ یہ نظام جس میں ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق اس طرح روٹی ملتی ہے کہ اس کی عزتِ نفس پہ زد نہیں پڑتی۔ قرآن کا معاشی نظام ہے۔
★ اسلامی معاشی نظام کی بنیاد یہ ہے کہ جو محنت کر سکتا ہے مگر محنت نہیں کرتا وہ روٹی کا حقدار نہیں۔
★ خلافت کیا ہوتی ہے؟ کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا!
★ دینِ قیّم! وہ دین جو خود بھی کسی سہارے کے بغیر قائم ہے اور جو کوئی اس کا سہارا لے گا اس کو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے لئے کسی اور سہارے کی ضرورت نہ رہے گا۔
★ اگر محض دعائیں مانگنے کی بجائے ہم مومن بننے کی طرف آجاتے تو نصرت خداوندی ہمارے قدم چوم لیتی۔
★ انسان اپنی مصیبتوں اور غلط کاریوں کی ذمہ داری خدا پہ ڈال کر ابلیسانہ فعل کرتا ہے۔ اس نے بھی خدا کو یہی جواب دیا تھا۔
★ خیر ہر وہ عمل ہے جس سے انسان کی خودی کی نشو ونما ہوتی ہے اور شر وہ عمل ہے جس سے

اس کی تخریب ہوتی ہے۔

★ قرآن کا میزانِ عدل انسان کے ہر سانس میں موجود ہے۔

★ انسان کو اختیار و ارادہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ مستقبل اس کا طے شدہ یا جامد نہیں ہوتا جو صاحبِ اختیار ہے اس کے مستقبل کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، اس کے لئے چوائس (انتخاب کرنے کا حق) ہے لیکن جو صاحبِ اختیار نہیں اس کا مستقبل جامد ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے چوائس نہیں۔

★ زندگی کا تو سارا لطف ہی اس میں ہے کہ کل کے متعلق کچھ پتہ نہ ہو۔

★ جو قوم اپنے آپ کو مومن کہتی ہے اور نصرت سے محروم رہتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ درحقیقت مومن نہیں وہ عملی طور پر ایمان نہیں رکھتی کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ کفار مومنوں پہ غالب آجائیں۔

★ خدا اور انسان کو ایک دوسرے کا رفیق کہا گیا ہے۔ رسولِ کریمؐ کے آخری فرمان کے مطابق کہ وہ ہمارا رفیقِ اعلیٰ ہے اور ہم اس کے رفیقِ ادنیٰ۔

★ جتنے بھی انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و قوانین ہیں۔ ان کو ہر دوسرے آنے والے انسان بدل ڈالتے ہیں۔

★ عمل استمرار چاہتا ہے۔ استقلال چاہتا ہے۔ ثبات چاہتا ہے۔ دوام چاہتا ہے۔ اس کو تو مسلسل مرتے دم تک جاری رکھنا ہوتا ہے۔

★ وہی شخص کسی کو "تو" کہہ سکتا ہے جو اپنے آپ کو پہلے "میں" کہے۔ ہم لاکھوں کی تعداد میں اُسے (خدا کو) تو تم کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ کیوں نہیں سنتا اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ پہلے اپنے آپ کو 'میں' بن کر دکھاؤ۔ یہ ثابت کرو کہ تم 'میں' ہو۔ خدا کے سامنے کھڑا ہو کر "تو" اپنے آپ کو 'میں' کہے۔ یہ ہے تیری منزل۔ مگر اس کی صفات اپنے اندر پیدا کرتا چلا جا۔

★ جب تک گھر کی زندگی میں سکون محبت، مودّت نہ ہوگی انسان باہر کی زندگی میں حسن و توازن پیدا کر ہی نہیں سکتا۔

★ عورت میں تبرّج کا جذبہ نہیں ہونا چاہیئے یعنی نمود و نمائش کا جذبہ لیکن نمائش اور زیبائش میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قرآن نے عورت کو اس کا مقام بتایا ہے۔ مردوں کی طرف سے یہ بڑی سازش ہے کہ عورت کو یہ تصوّر دیا گیا کہ تیرا وجود مقصود بالذات نہیں ہے اور تو مرد کی تسکین کیلئے بنائی گئی ہے۔ مردوں کی نگاہ میں جاذب بننا بالکل جاہلیت کا جذبہ ہے۔ اسلام اسے ختم کرنے کے لئے آیا ہے۔ قرآن نے عورتوں اور مردوں کو زندگی کے ہر گوشے میں ہم دوش چلایا ہے۔ دنیا کے کسی مذہب کسی قوم کسی تہذیب میں اس انداز میں مرد عورت کے باہم دوش چلانے کی تعلیم اور کہیں نہیں ملے گی۔

★ اسلامی حکومت میں اربابِ حل وعقد حاکم نہیں ہوتے بلکہ خدا کے نظام کو قائم کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

★ جب تم کسی ایک کی طرف منہ کروگے تو باقی سب کی طرف تمہاری پیٹھ ہوگی۔ بہ یک وقت تم ایک ہی طرف رُخ کر سکتے ہو۔

★ صفتِ حلیمیت بڑی عجیب چیز ہے۔ بھرپور قوت اپنے پاس ہو۔ لیکن وہ اس قوت کی وجہ سے مچل نہ جائے بلکہ اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی نہ بھڑکے اور بڑی باتوں کو بھی برداشت کر سکے۔

★ ایک غلط بات محض اس لئے سچی نہیں ہو سکتی کہ وہ پانچ سو سال سے غلط کہی جارہی ہے۔

★ حق کو ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ کتنے ہاتھ اس کی تائید میں اٹھتے ہیں۔

★ اقدارِ خداوندی نے رُو سے اپنے اور بیگانے کا معیار یہ ہے کہ جو لوگ ایمان میں مشترک ہوں وہ اپنے۔ خواہ ان میں کوئی اور قدر مشترک نہ ہو۔ اور جو ایمان میں مشترک نہ ہوں وہ سب بیگانے خواہ وہ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

★ جو قوم اپنے جذبات وخواہشات کو اپنا معبود بنالے تو وہ علم وبصیرت کے باوجود تباہ ہو جاتی ہے۔

★ قرآن صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ صحیح راستہ کونسا ہے کسی کو اٹھا کر خود منزل تک نہیں پہنچا دیتا۔ منزل تک پہنچنے کے لئے چلنا مسافر کو خود ہی پڑتا ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالح کی شرط سے یہی مراد ہے۔

★ مایوس وہ ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ موت سے اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جسے تسلسلِ حیات پر ایمان ہو، وہ مایوس نہیں ہوتا۔

★ کسی نظریہ یا مسلک کے اسلامی یا غیر اسلامی قرار پانے کے لئے سند نہ کسی کا قول ہے نہ عمل اس کے لئے سند صرف خدا کی کتاب ہے جو اس کے مطابق ہے۔ وہ حق، جائز اور اسلامی ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ باطل۔ ناجائز اور غیر اسلامی ہے۔

★ اگر ہم حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کو قرآن کریم کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کریں تو پوری نوعِ انسانی اس تقریب کو منانے لگ جائے۔

(مرتبہ:۔ ثریا عندلیب)

یورپ سے درآمد کردہ گوشت کے بارے میں رابطۂ العالم الاسلامی کا فتویٰ!

تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک میں اشیائے خوردنی کی بڑی کمی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ان چیزوں کو دوسرے ممالک سے منگوایا جاتا ہے، ان منگوائی جانے والی چیزوں میں ڈبوں میں بند کھانے کی چیزیں، مثلاً دودھ، مکھن، مچھلی اور گوشت بھی شامل ہے، گوشت زیادہ آسٹریلیا اور یورپ کے دوسرے ممالک سے منگوایا جاتا ہے، ان ممالک کے باشندوں کی اکثریت عیسائی مذہب کی پیروکار ہے اور وہی لوگ ان جانوروں کو بھی ذبح کرتے ہیں، جن کا گوشت عرب ملکوں کو برآمد کیا جاتا ہے۔

یہ چیزیں ایران میں بھی درآمد کی جاتی تھیں، لیکن جب وہاں شاہ ایران کا تختہ الٹ کر اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو نئی حکومت نے یورپ سے درآمد کردہ گوشت کو حرام قرار دے دیا۔ اس وقت ملک میں ایسے گوشت کی کافی مقدار بازاروں میں موجود تھی۔ لیکن اس کے حرام قرار دینے کے بعد، اس گوشت کو کھیتوں میں پھینک دیا گیا اور بطور کھاد استعمال کیا گیا۔

اس کارروائی کا اثر پڑوسی عرب ممالک پر بھی پڑا، وہاں بھی علماء کے ایک طبقے نے اس درآمد شدہ گوشت کے بارے میں اپنے شبہات کا اظہار کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک عرب ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے طلباء نے اس مسئلہ پر ہڑتال کر دی اور انہوں نے یورپ سے درآمد کردہ گوشت کھانے سے انکار کر دیا، حکومت نے ان کی تسلی کے لئے ایک وفد، ان گوشت برآمد کرنے والے ملکوں کو بھیجا، جس نے واپس آکر تصدیق کی کہ وہاں جانوروں کو اسلامی ذبیحہ کی شرائط کے مطابق ذبح کیا جاتا ہے۔ اس سے سب لوگوں کی تسلی ہوگئی۔

اسی اثنا میں ان یورپی ممالک سے بعض نومسلم حضرات نے اسلامی ممالک میں اپنے بھائیوں کو مطلع کیا کہ ان ممالک میں جانور اسلامی ذبیحہ کے اصولوں کے مطابق ذبح نہیں کیے جاتے۔ اس سلسلے میں اسلامی اصول یہ ہے کہ جانور کو اسطرح ذبح کیا جائے کہ اس کے جسم سے سارا خون نکل جائے۔ لیکن اب یورپ میں جدید مذبح خانوں میں جانوروں کو جدید مشینوں کے ذریعے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جانور کے جسم سے پوری طرح خون خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس اطلاع کے بعد ایک دفعہ پھر اس موضوع پر اخبارات میں بحث چھڑ گئی۔ جس کا دوسرے اسلامی ممالک میں بھی نوٹس لیا گیا۔

ان ممالک میں سنگاپور اور ملائشیا بھی شامل تھے۔ ان ممالک میں یورپ سے گوشت تو درآمد نہیں کیا جاتا تھا

لیکن دودھ، مکھن اور دوسری چیزیں منگوائی جاتی تھیں۔ چنانچہ ان ممالک میں درآمد کردہ دودھ کے اجزا کے بارے میں تحقیق کی گئی تو تحقیق کرنے والے اس نتیجے پر پہنچے کہ اس میں سؤر کے بعض اجزاء شامل کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ملائیشیا کے مسلمانوں نے اپنی اس تحقیق سے اسلامی ممالک کے مسلمانوں کو مطلع کیا۔ عرب ممالک میں تو اس تحقیق کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا لیکن پاکستان میں درآمد کیے جانے والے دودھ کو بند کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔ اسی اثنا میں دودھ کے درآمد کنندگان نے کچھ وضاحت کر دی کہ ملائیشیا والی تحقیق حقیقت پر مبنی نہیں ہے درآمد کردہ دودھ میں سؤر کے کسی جزو کی ملاوٹ نہیں کی جاتی، تو معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

تاہم اس سے عرب ممالک میں درآمد کردہ گوشت کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں پھر نئے سرے سے بحث شروع ہو گئی اور ایسے علماء جو پہلے اس قسم کے گوشت کو جائز سمجھتے تھے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کرنے لگے۔ اور کچھ نے یہ فتویٰ بھی دے دیا کہ ایسے گوشت کا استعمال جائز نہیں۔ جبکہ کچھ دوسرے حضرات نے اس کے جائز ہونے پر اصرار کیا۔ جب اس بارے میں علماء کا اختلاف بڑھا تو اس سے متعلق حتمی فیصلہ جاری کرنے کے لئے یہ معاملہ رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

قارئین جانتے ہونگے کہ رابطۃ العالم الاسلامی ایک بین الاقوامی اسلامی ادارہ ہے جس کے اخراجات سعودی حکومت برداشت کرتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی اسلامی تنظیموں کو، سعودی عرب کی حکومت اسی ادارے کی معرفت مالی امداد دیتی ہے اس کے جاری کردہ فتاویٰ کو تمام دنیا کے مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ رابطہ نے یورپ سے درآمد کردہ گوشت کے بارے میں جو فتویٰ دیا ہے اس کی نقل اس ادارے کے ترجمان ہفتہ وار اخبار "اخبار العالم الاسلامی" کی ۲۲ ستمبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں شائع کی گئی ہے۔ اس فتویٰ کا اردو ترجمہ قارئین طلوع اسلام کی دلچسپی کے لئے، ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ادارہ سے اس بارے میں یہ سوال کیا گیا تھا:

سوال:۔ دوسرے غیر مسلم ممالک سے درآمد کردہ گوشت اور منجمد مرغیوں کے، جن کے ذبح کرنے کے طریقے سے ہم آگاہ نہیں۔ کے خریدنے کو بعض علماء نے ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اس بارے میں رابطۃ العالم الاسلامی کا فتویٰ کیا ہے؟

جواب:۔ اگر یہ گوشت ان ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے، جن کے باشندے اہل کتاب یعنی عیسائی اور یہودی ہیں۔ (یورپ کے تمام ممالک میں عیسائی مذہب کے پیروکاروں کی اکثریت ہے اور وہ اہل کتاب کی تعریف میں آتے ہیں) تو ان اہل کتاب کے ممالک سے درآمد کردہ گوشت کا کھانا جائز ہے اور حلال ہے اور اس کا استعمال اس وقت تک جائز ہوگا۔ جب تک کسی ایسی بات کا پتہ نہ چل جائے جو ان ممالک سے درآمد کردہ گوشت کے حرام ہونے پر واضح دلالت کرے۔ اس درآمد کردہ گوشت کے حلال ہونے کے بارے میں فتویٰ قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں دیا گیا ہے۔

آج کے دن تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا، حلال کر دیا گیا ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ (سورۃ المائدہ - ۵)

اور یہ دلیل کہ بعض یورپی ممالک میں جانوروں کو غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے، تو اس سے بھی

ان ممالک سے درآمد کردہ گوشت کی حرمت لازم نہیں آتی جب تک کہ اس بات کا یقینی علم نہ ہو جائے کہ کوئی درآمد کردہ گوشت ایسے مذبح خانے سے درآمد کیا گیا ہے، جو غیر شرعی طریقے سے جانور ذبح کرتا ہے، کیونکہ اصولاً اہلِ کتاب کے ذبح کردہ جانور ہمارے لئے حلال ہیں جب تک کہ ان کے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ اسے حرام طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔"

رابطہ کے اس فتویٰ کے نتیجے میں سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں یورپ سے درآمد کردہ گوشت اور فرانس سے منگوائی گئی منجمد مرغی کو حلال سمجھ کر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ یہ گوشت عیسائی ملکوں کے عیسائی قصابوں کا ذبح کردہ ہوتا ہے۔ پاکستان سمیت دنیا کے مختلف ممالک سے جو حجاجِ کرام سعودی عرب تشریف لاتے ہیں وہ بھی یہی گوشت استعمال کرتے ہیں۔

رابطہ کے جس اخبار سے یہ فتویٰ شائع ہوا ہے، وہ ہزاروں کی تعداد میں پاکستان میں تقسیم ہوتا ہے۔ لیکن ابھی تک یہاں کے کسی عالمِ دین نے اس فتویٰ پر اعتراض نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں ان کا سکوت اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس سے متفق ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ آج سے سو سال پہلے جب علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سید احمد خاں صاحب نے یہی بات کہی تھی تو ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسے کرسٹان کہا جاتا تھا۔ لیکن اب زمانے کے تقاضے اس حد تک بدل چکے ہیں کہ خود یہی علماء اس کے جواز کے فتوے دے رہے ہیں۔

(محمد ارمغان ثاقب)

بقیہ "معراجِ انسانیت" صفحہ ۲۴ سے مسلسل

سیرتِ طیبہ پر ایک ضخیم کتاب ۸۲۳ صفحات پر پھیلی ہوئی موجود ہو، کیا اسے منکرِ شانِ رسالت کہا جا سکتا ہے "للہ ذرا سوچو کچھ عقل کے ناخن لو"

عزیزانِ گرامی! اگرچہ جناب پرویز صاحب اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کے ہاتھ سے جلایا ہوا دیا، فکرِ قرآنی کے صحنِ چمن میں پوری آب و تاب سے روشن ہے۔ اور بتوفیقِ ایزدی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اور ہماری آنے والی نسلیں اس چراغ کو قیامت تک اسی طرح روشن رکھیں گی کہ اس کی ضوفشانیوں سے اُس جنت بداماں معاشرہ کے قیام کی راہ آسان ہو جائے۔ جس کی ہمارے محترم ہمیشہ تمنا کیا کرتے تھے۔

کہہ جاتا ہوں میں زورِ جنوں میں تیرے اسرار
مجھ کو بھی صلہ دے میری آشفتہ سری کا!

شاہینہ بیگم رضوی

اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

قرآنِ حکیم کی رو سے ایک انسانی بچے اور دوسرے انسانی بچے میں پیدائش کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں۔ ہر فرزندِ آدم انسان ہونے کی جہت سے قابلِ تکریم ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ۱۷/۷۰ چونکہ نوعِ انسان میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اس لیے دونوں بلا تخصیص و استثنا یکساں قابلِ تکریم ہیں۔ جہاں تک عائلی زندگی کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی یکساں حیثیت بیان فرمائی ہے، یہاں تک کہ میاں اور بیوی دونوں کے لیے قرآنِ حکیم میں زوج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی عورت مرد کی زوج ہے اور مرد عورت کا زوج۔ زوج کی تشریح یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے دو حصے ایسے ہوں کہ اُن میں سے کسی ایک کے بغیر دوسرا نامکمل رہ جائے تو اُن میں کا ایک حصہ دوسرے کا زوج کہلاتا ہے۔ گویا ان میں کا ہر ایک حصہ دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔

اس سے آگے بڑھیں تو میاں بیوی (مرد اور عورت) کی مساوی حیثیت کی ایک اور مثال ملتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مرد عورت کا لباس ہیں اور عورت مرد کا لباس هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۲/۱۸۷ یعنی میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ جسم اور لباس کا ساتھ ہے۔ گویا جس طرح پوشاک کا تعلق جسم سے ہوتا ہے اُسی طرح مرد کا تعلق عورت سے اور عورت کا تعلق مرد سے۔

جہاں تک جزائے عمل کا تعلق ہے، قرآنِ حکیم کی رو سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت، ضائع نہیں کیا جاتا کیونکہ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۳/۱۹۵ دونوں مرد اور عورت ایک دوسرے میں سے ہیں یعنی دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ البتہ بعض فطری فرائض کے سلسلہ میں مرد اور عورتوں کی بعض خصوصیات منفرد ہیں۔ یعنی جو ایک کو حاصل ہے وہ دوسرے کو نہیں۔ مثلاً افزائشِ نسل اور بچوں کی پرورش و تربیت۔ اس تقسیمِ عمل کی رو سے کاروبارِ حیات میں ایک گوشے میں مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے تو دوسرے میں عورتوں کو فوقیت حاصل ہے۔ فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ..... ۴/۳۴ مثلاً اپنے فطری فرائض و وظائف کی سرانجام دہی کے لیے عورت کی زندگی کا اکثر حصہ اولاد کی پیدائش و پرورش پر وقف رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ خود کسبِ معاش کے قابل نہیں رہتی (اگرچہ کسبِ معاش کی صلاحیت اُس میں ہے۔ ۴/۳۱) عورت کی مصروفیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں عورت کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری مردوں پر

عائد کر دی ہے۔ چنانچہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۴/۴ گویا مرد عورتوں کی کفالت کے ذمہ دار ہیں، حاکم یا داروغہ نہیں!

یہ تو رہی معاشرتی زندگی کے ایک گوشے یعنی عائلی زندگی کی پوزیشن۔ لیکن جہاں تک پوری کی پوری (وسیع تر) معاشرتی زندگی کا تعلق ہے، جملہ کاروبارِ حیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورتوں کی یکساں اور متوازی حیثیت بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بیان بھی اُس کتابِ مبین میں جگمگ کرتا نظر آتا ہے جس میں نہ کوئی تشکیک ہے اور نہ کوئی ابہام، نہ کوئی گنجلک ہے نہ ہی کوئی التباس۔ ارشاد ہوتا ہے:-

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۳۵/۳۳

مفہوم۔ "یہ واقعہ ہے کہ جس طرح مرد قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکنے والے ہو سکتے ہیں اُسی طرح عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جس طرح مرد بلند صداقتوں پر یقین رکھنے والے ہو سکتے ہیں اُسی طرح عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جس طرح مرد اپنی صلاحیتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جس طرح مرد اس قابل ہیں کہ وہ اپنے کردار سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھائیں اُسی طرح عورتیں بھی اس قابل ہیں۔ جس طرح مردوں میں اس کی صلاحیت ہے کہ وہ سخت مصائب میں ہمت نہ ہاریں اسی طرح عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے۔ جس طرح مرد ذمہ داریوں کے احساس سے جھکتے چلے جا سکتے ہیں عورتوں میں بھی ایسا کرنے کی صلاحیت ہے۔ اگر مردوں میں ایثار کا مادہ ہے تو عورتوں میں بھی ایسا مادہ ہے۔ جس طرح مرد اپنے آپ پر پورا کنٹرول رکھ سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی رکھ سکتی ہیں۔ جس طرح مرد اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ جس طرح مرد اس کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھیں اسی طرح عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے جس طرح مردوں اور عورتوں میں یہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں تو پھر اُن کے اعمال کے نتائج بھی دونوں کے لیے یکساں طور پر موجود ہونے چاہئیں۔ اس لیے دونوں کے لیے یکساں طور پر سامانِ حفاظت اور اجرِ عظیم ہے"

قرآنِ حکیم کے اس بیان کے مطابق زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس کے لیے مردوں میں تو صلاحیت ہے لیکن عورتیں اس سے محروم ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں دونوں کی یکساں اور متوازی صلاحیتیں ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ قرآنِ حکیم میں سربراہِ مملکت کے لیے کوئی خاص لفظ استعمال نہیں

گیا یا تاہم اُس جماعتِ مؤمنین کے افراد کے صفات اور فرائض جن میں سے اس کا انتخاب ہوسکتا ہے۔ سورۃ "النور" میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۹/۱۱۲ نفسِ مضمون کی مناسبت سے یہاں دوسرے صفات کے علاوہ آیتِ مذکورہ کے ٹکڑے اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ سے حکومت (اور حکمرانی) کا پہلو نکلتا ہے۔ یعنی وہ اُن باتوں کا حکم کرتے (رہتے) ہیں جنہیں قانونِ خداوندی صحیح تسلیم (RECOGNISE) کرتا ہے اور اُن سے روکتے ہیں جن کی وہ مناہی کرتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قوانینِ الٰہی کے نفاذ اور نگہداشت کے منصب کے لیے حکومت، قوت اور اختیار کا ہونا لازمی ہے ۵/۴۹ کیونکہ یہ کام محض وعظ اور نصیحت سے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اِن فرائضِ منصبی اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے حوالہ سے سربراہِ مملکت کو امیر کہا جاسکتا ہے جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے وقت سربراہان (خلفاء) کو امیرالمؤمنین کہا جاتا تھا۔

محولہ بالا آیتِ قرآنی سے جہاں مطلوب سربراہِ مملکت کی صفات اور فریضہ بیان کرنا تھا وہاں خصوصی طور پر عورت کے دو اہم مناصب کی وضاحت بھی مقصود تھی۔ اوّل یہ کہ کیا عورت تلاشِ حقیقت اور حصولِ علم کے لیے سیاحت یعنی دنیا کا سفر اُسی طرح کرسکتی ہے جس طرح مرد۔ اور دوئم یہ کہ کیا عورت سربراہِ مملکت بن سکتی ہے۔

جہاں تک عورتوں کے سیاحت کے عمل کا تعلق اُس کی وضاحت سورۃ "اَلتَّحْرِیْم" کی آیت نمبر ۵ سے ہو جاتی ہے۔ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا اس طرح ذکر ہے کہ اگر وہ حضورؐ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے بدلے اُنہیں ایسی بیویاں عطا کردے گا:-

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۶۶/۵

مفہوم "جو ان سے بہتر ہوں گی اور قانونِ خداوندی کے سامنے جُھکنے والی، بلند صداقتوں پر یقین رکھنے والی، اپنی صلاحیتوں کو قانونِ خداوندی کے مطابق صرف کرنے والی، سفر حیات میں وہ جہاں محسوس کریں کہ اُن کا قدم غلط راستے کی طرف اُٹھ گیا ہے وہ وہیں رُک جائیں جہاں قدم غلط اُٹھا تھا اور وہاں واپس آکر صحیح راستہ پر ہولیں۔ حصولِ علم اور تلاشِ حقیقت کے لیے بوقتِ ضرورت سیاحت یعنی دنیا بھر کا سفر کرنے والی خواہ بیوہ ہوں یا کنواری"

یہاں وضاحت کے لیے عرض کردوں کہ سورۃ "التوبہ" کی آیت ۲ میں سیاحت کا لفظ روئے زمین پر سفر کرنے کے لیے آیا ہے۔ (فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ) اور اس طرح سیاحت کے لیے دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کہا ہے مثلاً ارشادِ الٰہی ہے:-

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۶/۱۱

"امصارِ عالم میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُن قوموں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے ہمارے قانون کو سچا نہیں سمجھا اور اُس کی تکذیب کی۔"

محوّلہ بالا حکمِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ عورت مردوں کی طرح روئے زمین پر حصولِ علم اور تلاشِ حقیقت کے لیے سفر کر سکتی ہے اور اس میں اُن کے لیے کوئی امر مانع نہیں۔ یہ سفر خواہ اکیلے ہو یا وفود کی صورت میں۔ انفرادی حیثیت سے ہو یا مملکت کی نمائندگی کے سلسلہ میں۔ وغیرہ وغیرہ

دوسرا نکتہ یہ تھا کہ کیا عورت "سربراہِ مملکت کے منصب پر فائز ہو سکتی ہے"۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہو جاتی ہے کہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۹/۷۱

"مومن مرد اور مومن عورتیں اِن میں سے ہر ایک دوسرے کے رفیقِ کار (اولیاء) ہیں دونوں ان باتوں کا حکم دیتے ہیں جنہیں ضابطۂ خداوندی صحیح تسلیم کرتا ہے اور اُن سے روکتے ہیں جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔ یہ دونوں (مرد اور عورت) صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں۔ ہر معاملہ میں خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ (مرد اور عورت) ہیں جو خدا کے عطا کردہ سامانِ نشوونما سے فیضیاب ہوتے ہیں اور دُنیا دیکھ لے گی کہ خدا کا قانون کس حکمت پر مبنی ہے۔"

قرآنِ حکیم کے محوّلہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ (نظامِ مملکت) کے اندر جیسے فرائض و مناصب مردوں کے ہیں ویسے ہی عورتوں کے ہیں اور فریضۂ "يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ اور يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" میں ویسی ہی عورت کی پوزیشن ہے جیسے مردوں کی۔ اس قرآنی شہادت کے مطابق عورت مردوں کی طرح سریر آرائے سلطنت بھی ہو سکتی ہے اور مملکت کی اعلیٰ ترین اتھارٹی (AUTHORITY) بھی۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ قانون کتنا ہی ارفع اور اعلیٰ کیوں نہ ہو قوتِ نافذہ کے بغیر خود بخود نافذ نہیں ہو سکتا۔ بغیر حکومت کے یہ وعظ تو ہو سکتا ہے نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سورۃ التوبہ کی آیت ۷۱ میں جتنے بھی فرائض اور مناصب مرد اور عورت کے یکساں اور مساوی بیان کئے گئے ہیں اُن کے لیے قوت یعنی حکومت کا ہونا لازمی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح قانون اور حکومت (قوتِ نافذہ) ایک ہی سکّہ کے دو رُخ ہیں اسی طرح مرد اور عورت قوتِ نافذہ کے دو رُخ (TWO FACES OF THE SAME COIN) ہیں۔ مثلاً سورۃ "الحج" میں مومنین کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط ۲۲/۴۱

"یہ وہ لوگ (مؤمن) ہیں کہ اگر انہیں حکومت عطا کر دی گئی تو وہ صلوٰۃ قائم کریں گے اور ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ یہ اُن احکامات کو نافذ کریں گے جنہیں قانونِ خداوندی (قرآن) صحیح تسلیم کرتا ہے اور ایسے تمام کاموں سے روکیں گے۔ جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ اس طرح اسلامی مملکت میں افہام وتفہیم اور باہمی مشاورت کے بعد آخرالامر ہر معاملہ کا فیصلہ قانونِ الٰہی (قرآن) کے مطابق ہوگا کسی کے ذاتی جذبات کے تابع نہیں ۵/۴۹"

سورۃ "الحج" کی محولہ بالا آیت کے مطابق جن امور اور فرائض کی ادائیگی کے لیے حکومت کا ہونا لازمی ہے وہ سورۃ "التوبہ" کی آیت ۷۱ کی رو سے مرد اور عورت کی یکساں ذمہ داریاں ہیں اور یہ بھی کہ عورت حکومت کے جملہ امور اور کاروبار میں اُسی طرح اہل اور شریک ہے جس طرح مرد۔ یہ عورت کا خدا کی طرف سے عطا کردہ بنیادی حق ہے جسے کوئی بھی غصب نہیں کر سکتا۔ عورت صدر بھی ہو سکتی ہے اور وزیرِ اعظم بھی۔ دوسرے الفاظ میں امارت کے انتہائی بلند مقام پر جیسی بھی صورت ہو، فائز ہو سکتی ہے۔

تصریحاتِ بالا سے ثابت ہے کہ

۱۔ جہاں تک عائلی زندگی کا تعلق ہے مرد اور عورت کی یکساں اور مساوی حیثیت ہے کیونکہ دونوں مرد اور عورت ایک دوسرے میں سے ہیں یعنی ایک ہی جنس ہیں۔

۲۔ البتہ بعض فطری فرائض کے سلسلہ میں مردوں اور عورتوں کی بعض خصوصیات منفرد ہیں یعنی جو ایک کو حاصل ہے وہ دوسرے کو نہیں۔ مثلاً افزائشِ نسل اور بچوں کی پرورش اور تربیت۔ اس تقسیمِ عمل کی رو سے کاروبارِ حیات میں ایک گوشے میں مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے تو دوسرے میں عورت کو فضیلت حاصل ہے۔ فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۴/۳۴ مثلاً اپنے فطری فرائض و وظائف کی سرانجام دہی کے لیے عورت کی زندگی کا اکثر حصہ اولاد کی پیدائش و پرورش پر وقف رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود کسبِ معاش کے قابل نہیں رہتی۔ اگرچہ کسبِ معاش کی صلاحیت اُس میں ہے اور بوقتِ ضرورت ایسا کر سکتی ہے ۴/۳۲

۳۔ عورت کی متذکرہ مصروفیات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں عورت کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ۴/۳۴ گویا مرد عورتوں کی کفالت کے ذمہ دار ہیں اُن پر حاکم یا داروغہ نہیں۔

۴۔ عائلی زندگی کے علاوہ جہاں تک پوری کی پوری وسیع تر معاشرتی (SOCIAL) زندگی کا تعلق ہے جملہ کاروبارِ حیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی یکساں اور متوازی حیثیت بیان فرمائی ہے ۳۳/۳۵

(باقی صـ۵۳ پر)

طلوعِ اسلام ٹرسٹ

یہ خبر احبابِ طلوعِ اسلام کے لئے یقیناً باعثِ صد مسرّت و اطمینان ہوگی کہ

۱۰ر دسمبر ۱۹۸۶ء سے

طلوعِ اسلام ٹرسٹ کا قیام

عمل میں آگیا ہے اور اسے رجسٹر کروالیا گیا ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

ہم اس فوزِ عظیم پر بدرگاہِ ربّ العزّت سجدۂ تشکّر و امتنان بجالاتے ہیں کہ بکمالِ رحمت و فضل ہمیں اس کی توفیق دی۔

بزعمہائے طلوعِ اسلام کو طلوعِ اسلام ٹرسٹ کا متن بزبان انگریزی و اردو اور تعارفی خاکہ عنقریب روانہ کیا جارہا ہے۔

اراکینِ مجلسِ اُمناء
طلوعِ اسلام ٹرسٹ

حسنِ تحریر

حلقہ احبابِ طلوعِ اسلام سے باہر شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ محترم پرویز صاحب، بابائے پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رح کی زیرِ قیادت حصولِ پاکستان کی جنگ میں مذہبی مخالفت کی مدافعت کے محاذ کے سربراہ، مفکرِ اسلام حضرت علامہ اقبال رح کے بے مثال ترجمان اور منفرد مفکرِ قرآن ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ ادیب اور اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز بھی تھے۔ انہوں نے جس حسین انداز میں سیرت ہائے حضور ختمی مرتبت نبی اکرم ص اور صحابہ کبار رض کو الفاظ کے پیکروں میں منقش کیا ہے۔ وہ نہ صرف ہر قاری سے بیساختہ دادِ تحسین پاتے ہیں۔ بلکہ اس ذاتِ اقدس و اعظم علیہ التحیہ والسلام کی حقیقی عظمت سے بھی متعارف کراتے ہیں۔

یہ سلسلہ، محترم پرویز صاحب کی تحریروں میں سے ایسے ہی جواہر پاروں سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ موصوف نے شاہکارِ خالقِ فطرت رسول اعظم ص (کہ جن کی سیرت طیبہ کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے) اور آپ ص کے دست پروردگان رض (والذین معہ) کے انسانیت ساز کارہائے نمایاں کو جس اچھوتے، منفرد اور مبنی بر حقیقت اسلوب میں سمجھا اور قوم کے سامنے پیش کیا۔ اسے ایک سلسلہ میں مربوط کر دیا جائے۔ اس سلسلہ کی ابتدا محترم پرویز صاحب کی اس حسین تحریر سے کی جاتی ہے۔ جس میں انہوں نے پیکرِ معراجِ انسانیت ص کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات کا نقشہ کھینچا ہے کہ خدا کے اس ارشاد کے مطابق حیاتِ ارضی کا ایک دن خاتمہ ضروری ہے:۔

"اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ"

.... اور کیسی خوشا بخت ہے وہ موت جو مقصدِ حیات کی تکمیل کے بعد آئے۔

اسے پڑھئے، اپنے اپنے ذوق و ظرف کے مطابق اس سے لطف اٹھائیے اور پھر تلاش کیجئے دنیا بھر کے ادب میں سے ایسے شہ پارہ کو۔

م۔ ع۔ دراز، لاہور

☆

"معراجِ انسانیت" سے اقتباس

"علالت کے تیرھویں روز (یکم ربیع الاول ۱۱ھ، مئی ۶۳۲ء) صبح کے وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ لیکن نقاہت زیادہ تھی۔ اس لئے آپ نے حجرۂ مبارک سے لیٹے لیٹے پردہ اُٹھا کر مسجد کی طرف دیکھا تو لوگ نماز میں مشغول تھے۔ اللہ کے بندوں کو اپنے اللہ کے سامنے سجدہ ریز دیکھ کر فرطِ مسرّت سے چہرہ بشاش ہو گیا۔ جھکی ہوئی نگاہوں سے درگاہِ رب العزّت میں تشکر و امتنان کے سجدے ادا کئے۔ جوں جوں دن چڑھتا گیا، مرض کی شدّت بڑھتی گئی۔ نقاہت سے بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ لیکن جب ہوش آتا تھا، تو زبان مبارک پر یہ الفا[ظ] ہوتے تھے کہ مع الّذین انعم اللہ علیھم ان سعادت مند روحوں کی معیت جنہیں اللہ نے اپنے انعامات سے نوازا۔ اور کبھی یہ کہ اللّٰھمّ فی الرّفیق الاعلیٰ سب سے بڑی رفاقت خدائے بزرگ و برتر کی ہے۔ سہ پہر کے قریب تین مرتبہ فرمایا۔ بل الرّفیق الاعلیٰ۔

قلب کا سکون ایک ہلکے سے تبسم جاں نواز کی صورت میں چہرہ پر نکہت پاش و نور افشاں ہوا۔
نگۂ فطرت کو یہ معصومانہ انداز ایسا خوش آیا کہ اس نے اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔

اور اس طرح اِس پربہار زندگی کی جوئے رواں دامنِ صحرا سے صحن گلستاں میں داخل ہو گئی۔ اور آنسوئے افلاک سے تلاشِ جمال یہ کہتی ہوئی استقبال کے لئے آگے بڑھی کہ:۔

یاَیّتھا النّفس المُطمئنّۃ ۝ اِرجعی الیٰ ربّکِ رَاضیۃً مّرضیّۃً ۝
فادخُلی فی عبادی ۝ وادخلی جنّتی ۝

"معراجِ انسانیت" صـ ۳۹۸

تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء

"غیر مسلم بھی شرعی عدالت کا جج بن سکتا ہے"

یہ الفاظ ہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جو روزنامہ جنگ کے جمعہ میگزین مورخہ نومبر ۱۹۸۶ء کے صفحہ ۲ پر ایک رنگین سُرخی میں چھپے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب گو علم الطب سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن جس طرح ماہرینِ طب میں ان کا نام کم دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح اسلامی تصورات اور مذہبی ورثہ میں وہ ایک متنازعہ شخصیت بن جانے کے ساتھ ایسے مقام تک جا پہنچے ہیں۔ جہاں ان کی فکر سے مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو رہا ہے۔ لہٰذا ان کے بیانات اور پیش کردہ مسائل کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ انحطاط پذیر عناصر کا قومی سطح پر جائزہ لیا جا سکے۔

یہ جو انہوں نے فرمایا ہے :-

"غیر مسلم بھی شرعی عدالت کا جج بن سکتا ہے"

اسے ہم قرآنِ حکیم کی آیاتِ مقدسہ کے حوالوں سے دیکھیں گے۔ کہ کیا ایک غیر مسلم مسلمانوں کی عدالت کا واقعی عادل ہو سکتا ہے۔ اور کیا 'قرآن اکیڈیمی' اور 'تنظیم اسلامی' کے امیر کی حیثیت سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ فرمانا درست ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا اسلام کے ان مبلغین کے لئے کوئی ایسا ضابطۂ کار ہے جو دین کے فروغ کے سلسلے میں دین کے نام پر اشاعت کی گئی غلط باتوں کی ترویج کو روک سکے؟

اس تمام منظر میں ہمیں جو بات سب سے پہلے دیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کی رو سے 'غیر مسلم' کسے کہتے ہیں۔ غیر مسلم کی صحیح حیثیت اور صورتِ احوال جاننے کے لیے 'مسلم' اور 'مسلمان' کی پہچان ضروری ہے۔

'مسلم' یا 'مسلمان' وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے لائحۂ عمل کو مکمل طور پر اختیار کرتا ہے۔ اور اپنی اس ارضی حیات میں دیئے گئے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ خود بھی امن و آشتی کی فضا میں رہتا ہے۔ اور دوسروں کی سلامتی کے لئے بھی فضا سازگار بناتا ہے۔ اور ایمان کی اس بنیادی شرط پر۔

..... مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ..... (سورۃ البقرۃ - آیت ۱۷۷)

عمل پیرا ہوتے ہوئے قرآنِ حکیم کی اس آیت کریمہ کی اہمیت کو اپنے فکری اور تعمیری رجحانات میں اپنے سامنے رکھتا ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا .....

پس اگر وہ ایمان لائیں۔ اس کی مثل جو تم ایمان لائے، تو یقیناً انہوں نے ہدایت پائی۔

(سورۃ البقرۃ۔ آیت ۱۳۷)

یعنی ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اُس طرزِ فکر کے ساتھ اسلام قبول کرے جو قرآنِ حکیم میں موجود ہے، 'مسلم' کہلائے گا۔ اور ملتِ اسلامیہ کا ایک باوقار رکن تصور ہوگا۔

اور مسلمان بننے کی اس پاکیزہ خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے یہاں تک واضح فرما دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پہلا مسلم قرار دے دیا۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے مسلمان فرمانبردار ہوں۔

(سورۃ الانعام۔ آیت ۱۶۳)

..... وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ .....

اور حکم دیا گیا ہوں یہ کہ میں ہوں مسلم فرمانبرداروں میں سے اور یہ کہ پڑھوں میں قرآن۔

(سورۃ النمل۔ آیت ۹۱)

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان بنوں۔

(سورۃ الزمر۔ آیت ۱۲)

.... قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝

کہو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا اسلام لانے والا بنوں اور (یہ کہ) ہرگز نہ ہو تو مشرکوں میں سے۔

(سورۃ الانعام۔ آیت ۱۴)

قرآن کریم کی یہ آیات بنیادی نوعیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر رہی ہیں اور اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ اللہ ربُ العزت کے بتائے ہوئے اندازِ فکر اور طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کرنے والے ہی مسلم ہیں جبکہ قرآن کے فرمودات سے اختلاف کرنے والے، ایمان کی شرائط پر پورے نہ اترنے والے، اتباعِ رسولؐ میں احکاماتِ خداوندی کی پیروی نہ کرنے والے، اسلام کے فرزندانِ توحید سے دینی نسبت نہ رکھنے والے 'غیر مسلم' ہیں۔ غیر مسلم ہی نہیں بلکہ 'گمراہ' ہیں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔

اور جو کوئی انکار کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا یقیناً وہ گمراہی میں دور نکل گیا۔ (سورۃ النسا۔ آیت ۱۳۶)

..... وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ۔

اور کافروں کے سوائے ہماری آیات کا کوئی انکار نہیں کرتا

(سورۃ عنکبوت۔ آیت ۴۷)

وہ جو گمراہ ہوتا ہے۔ اور وہ جو کفر اختیار کرتا ہے عادل کے فرائض اعلیٰ وارفع اقدار کے مطابق انجام نہیں دے سکتا۔

مسلم اور غیر مسلم کی اس وضاحت سے آگے جو بات ہم نے دیکھنی ہے وہ ہے 'شرعی عدالت' کی اصطلاح جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے اس جملے میں استعمال کی ہے۔ اگر میں 'عدالت' سے مطلب یہ لیا جائے کہ اسلامی معاشرے میں انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے قرآن مجید کے بنائے ہوئے اصول وقوانین کو سامنے رکھا جانا ہے۔ اور اتباعِ رسولؐ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کیا جانا ہے۔

..... وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ .....

اور کہو میں ایمان لایا۔ جو اللہ نے کتاب سے اتارا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ ہمارا رب اور تمہارا رب ہے۔ (سورۃ الشوریٰ۔ آیت ۱۵)

تو پھر 'شرعی عدالت' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

انسانی معاشرے میں عدل یعنی توازن وتناسب برقرار رکھنا اور قرآن کی رو سے انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرنا اُسی صورت میں ممکن ہے۔ جب عدل اور قسط قائم کرنے والا شخص، قرآنِ حکیم کی بیان کی ہوئی تمام اقدار سے واقف ہو۔ اور اپنے ایمان وعمل میں اس راستے کو اختیار کرنے کا عزم رکھتا ہو جو تقویٰ کے قریب ہو۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔

اور جن کو ہم نے پیدا کیا۔ ان میں سے ایک گروہ ہے۔ جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۸۱)

.... فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔

تو صلح کرادو اور ان کے درمیان عدل کے ساتھ اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(سورۃ الحجرات - آیت ۹)

اور جو شخص محسوسات اور جذبات کی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تا فرمان نہیں ہوتا۔ اسلامی اقدار کا جسے پاس نہیں ہوتا۔ وہ مسلم سوسائٹی کی شرعی عدالت میں صاحب عدل نہیں ہو سکتا بالفاظ دیگر ایک غیر مسلم، شرعی عدالت کا جج نہیں بن سکتا۔

مذہبی تنگ نظری اور روایتی قصوں سے ہٹ کر جہاں ہم نے اس مرکزی موضوع پر اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے وہاں ہم قرآنِ حکیم کی اس آیت :—

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ .....

جو لوگ اُس کو چھپاتے ہیں۔ جو ہم نے کھلے احکام اور ہدایت سے اتارا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیا ہے تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے (اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے)

(سورۃ البقرۃ - آیت ۱۵۹)

:— کو بھی سامنے لے آتے ہیں۔ تاکہ پڑھنے والوں پر مزید واضح ہو جائے کہ ترمی وحدت کے لیے تدبر فی القرآن کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

سلیم کے نام (جلد سوم)

پرویزؒ صاحب نے شروع ہی سے، اپنی قرآنی فکر و پیغام کا اولین مخاطب، قوم کے نوجوان، تعلیمیافتہ طبقہ کو قرار دیا ہے کیونکہ (بقول انکے) اسی طبقہ کے بگڑنے سے قوم بگڑتی ہے اور اسی کے سنورنے سے، سنورتی۔ اس طبقہ کے قلب و دماغ میں صحیح انقلاب پیدا کرنے کیلئے انہوں نے، ایک سنجیدہ، شگفتہ، دلآویز سلسلہ شروع کیا جسے "سلیم کے نام خطوط" — سے تعبیر کیا گیا ان خطوط نے فی الواقعہ قوم کے نوجوان طبقہ کی ذہنیت بدل دی۔ ان خطوط میں ان کا انداز بالکل مختلف ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے ایک مشفق باپ اپنے ہونہار، عزیز بچوں سے باتیں کر رہا ہو۔ اسی لئے انکے یہ خطوط نوجوان طالب علموں کے دل میں اُتر جاتے ہیں۔

جلد سوم ۴۰۰ صفحات قیمت -/۴۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ نمبر۲ لاہور۔

حقائق و عبر

۱— علماء اور اسلامی قانون کا نفاذ

جماعت اسلامی کے ایک سابق سرکردہ لیڈر جناب عبدالغفار حسن صاحب جو کافی عرصہ سعودی عرب گزارنے کے بعد وطن واپس تشریف لائے ہیں، نے پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کے سلسلے میں مختلف فرقوں کے علماء کے طرزِ عمل کا یہ تجزیہ پیش کیا ہے۔

"آپ نے پاکستان میں قوانین کے اسلامائزیشن کے عمل کی تفصیلات" بیان کرتے ہوئے" فرمایا کہ اس وقت ہمارے یہاں تین طرح کی باتیں پائی جا رہی ہیں، غالیانہ شدت (۲) ملحدانہ جدت (۳) مجرمانہ غفلت، پھر ہر ایک کی تشریح کی۔ فرمایا کہ غالیانہ شدت دیوبندی اور بریلوی حضرات میں پائی جا رہی ہے۔ ان کا نہایت شدت سے اصرار ہے کہ پاکستان میں خالص فقہ حنفی نافذ کی جائے۔ اور حرف بحرف نافذ کی جائے"

ملحدانہ جدت کے سلسلے میں مولانا نے مولانا امین احسن اصلاحی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے بعض افراد (کسی کا نام نہیں لیا) کراچی کے بعض اکابر دیوبند کے صاحب زادگان (کسی کی نشاندھی نہیں کی) ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا مودودی اور مولانا حنیف ندوی کا ذکر فرمایا" مولانا حنیف ندوی" کے آگے" وغیرہ" بھی فرمایا۔ اس" وغیرہ" سے معلوم نہیں کون لوگ مراد ہیں۔ اور اس متن کی کیا تشریح ہے مولانا عبدالغفار حسن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقیدہ و عمل کے اعتبار سے ان لوگوں کا" محدثین کے مکتبِ فکر" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک" یہ لوگ غیر مقلد تو ہیں مگر اہلحدیث نہیں"

"مجرمانہ غفلت کا شکار" مولانا عبدالغفار حسن نے جماعت اہلحدیث کو ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں" اس وقت پاکستان میں اس طبقے کی طرف سے (جس کا ذکر ملحدانہ جدت کے سلسلے میں ہوا ہے) جو فکری انارکی یا ملحدانہ جدت ابھر رہی ہے اور علمائے احناف کی طرف سے جس غالیانہ شدت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، اس کا جواب صرف اور صرف جماعت اہل حدیث کے پاس ہے..... مگر یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس

وقت جماعت اہل حدیث اس فیصلہ کن رول کو ادا کرنے کے بجائے مجرمانہ غفلت کا شکار ہے ....."

(ہفت روزہ الاسلام لاہور بابت ۷ نومبر ۸۶ صـ۱۴)

۲۔ رسول اللہ صلعم ماڈل ٹاؤن تشریف لائیں گے؟

پچھلے دنوں ادارہ منہاج القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور کے بانی جناب طاہر القادری صاحب کا ایک انٹرویو ماہنامہ قومی ڈائجسٹ کی نومبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی عجیب الخلقت اور محیر العقول شخصیت کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ تو اس قسم کے علماء کا شیوہ ہے لیکن رسول اللہ صلعم کے بارے میں جو کچھ فرمایا۔ وہ ایک بہتان عظیم سے کم نہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"جب میرے ادارے کے دفتر کی تعمیر کا کام شروع ہونے والا تھا، میں اسی جگہ بیٹھا تھا، اس منصوبے کی تکمیل کے سلسلہ میں منصوبہ بندی میں مصروف تھا (یعنی عالم بیداری میں) کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی اور فرمایا "تم اللہ کے دین کا، میری امت کی نصرت اور میری سنت کی خدمت کا اور میرے دین کی سربلندی کا کام کرو، میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔" میں نے عرض کیا حضور میں تو ایک ناکارہ، نااہل، کمزور اور ناتواں انسان ہوں، خطاکار ہوں اور اس لائق نہیں ہوں کہ یہ کام کر سکوں۔ رسول اللہ نے فرمایا "تم شروع کرو، اللہ تمہیں توفیق اور وسائل دے گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔ منہاج القرآن کا ادارہ بناؤ، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں خود آؤں گا، میرا وعدہ ہے کہ میں لاہور میں تمہارے ادارہ منہاج القرآن میں آؤں گا۔"

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ بابت نومبر ۸۶ صـ۲۴)

رسول اللہ صلعم نے اسلامی مملکت کا سربراہ ہونے کے باوجود ایک سادہ سے مکان میں ساری زندگی بسر کی اور جب ایک صحابی نے اپنی حلال کی کمائی سے ایک ایسی عمارت تعمیر کی جس سے اُسے دوسرے صحابہ پر فوقیت حاصل ہو گئی تو آپؐ نے اپنے اس صحابی کا سماجی مقاطعہ کر دیا۔ لیکن آپؐ لاہور میں کروڑوں روپے کے اخراجات سے تعمیر ہونے والی عمارت (جبکہ اتنی بڑی عمارت حلال کی کمائی سے تعمیر نہیں ہو سکتی) کو برکت بخشنے کے لئے ماڈل ٹاؤن لاہور تشریف لائیں گے۔ ہمارے علماء حضرات اپنے ذاتی مفاد کے لئے رسول اللہ صلعم کو سرمایہ داری نظام کا علمبردار ثابت کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

۳۔ عید میلاد النبیؐ

عید میلاد النبیؐ ایک مقدس تہوار ہے۔ اس مقدس تہوار کو ہمارے ہاں کس طرح منایا جاتا ہے؟ اس کی جھلک دیکھنے کے لیے روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۸ نومبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں شائع ہونے والی مندرجہ ذیل رپورٹ ملاحظہ ہو:۔

"عید میلاد النبیؐ کے موقع پر شہر کی شاہراؤں پر بعض افسوسناک مناظر بھی دیکھنے میں آئے، جن کے نتیجے میں شہر بھر میں سو کے قریب افراد لڑائی جھگڑوں اور مختلف حادثات میں زخمی ہو گئے۔ جن میں سے ۵۷ شدید زخمیوں کو میو ہسپتال لایا گیا جبکہ بقایا کو مقامی طور پر طبی امداد فراہم کی گئی۔ شاہراؤں پر ایسے منچلے نوجوانوں کی اکثریت تھی جنہوں نے عجیب روپ بنا رکھا تھا اور وہ ٹولیوں کی صورت میں بریک ڈانس کرتے، ایک دوسرے سے شرارتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ کئی نوجوانوں نے تو منہ میں چوسنیاں لے رکھی تھیں، انہی منچلے لڑکوں کی وجہ سے بعض مقامات پر لڑائی جھگڑوں کی وارداتیں بھی ہوئیں جبکہ ٹریفک کے ہجوم میں متعدد افراد گاڑیوں تلے آ گئے۔ منچلے نوجوانوں کی طرف سے ڈانس، گانوں اور ریڑھکیں لگانے کا سلسلہ رات گئے جاری رہا۔ متعدد مقامات پر فائرنگ بھی ہوئی جبکہ بعض جگہوں پر اسلحہ کی نمائش بھی کی گئی۔ یکی گیٹ پولیس نے تین ایسے افراد کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے جو گزشتہ روز میلاد چوک میں جلوس میلاد النبیؐ میں شرکت کے لیے ایک کھلی جیپ میں سرِ راہ اسلحہ کی نمائش کر رہے تھے۔

وحدت کالونی میں عید میلاد النبیؐ کے روز بعض افراد نے پہاڑی بنانے کے تنازعہ پر ایک شخص محمد سلیم کے گھر گھس کر اس کی والدہ کو شدید زخمی کر دیا جبکہ اس دوران وہ خود بھی زخمی ہوا۔ سمن آباد کے علاقہ میں کار میں سوار بعض افراد نے عید میلاد النبیؐ کے لیے کی گئی سجاوٹ کو نقصان پہنچانے پر سے منع کرنے پر محمد سلیم وغیرہ پر حملہ کر دیا۔ باغبانپورہ میں بھی بعض افراد نے سجاوٹ کے دوران لڑائی ہو جانے پر مخالف فریق پر فائرنگ کر کے محمد اشرف اور بابر کو زخمی کر دیا۔

(روزنامہ جنگ ۱۸ نومبر ۱۹۸۶ء)

۴۔ حج یا پکنک

آج کل ملکِ عزیز سے ہزاروں لوگ ہر سال حج کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ حج کس طرح ادا کرتے ہیں؟ اس کے بارے میں جماعتِ اسلامی کے بانی محترم ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے خاندان کی ایک حاجن صاحبہ اپنے تاثرات

ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں :-

" مزولفہ سے واپسی کی جلدی میں چیزیں سمیٹ رہے تھے کہ ہمارے بالکل ساتھ پڑاؤ ڈالنے والی جماعت میں سے ایک بزرگ خاتون اپنے ساتھیوں سے پوچھنے لگیں :-

" دسے ہُن ، کتھے چلّے او ؟"

جواب ملا ۔" اماں جی ! ہُن منیٰ واپس جانا اے ۔"

اماں جی بیزار ہو کر بولیں ! ہائے منیٰ دا سیاپا رہ گیا اے ۔ منیٰ میں قیام اسی صورت میں " سیاپا " بن سکتا ہے جب کسی تیاری کے بغیر اٹھ کر بطور پکنک حج کیا جائے اور یوں لاگ بُک میں ایک اور حج کا اضافہ ہو جائے ۔

مزولفہ سے واپس منیٰ جو پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے حاجی حضرات لوٹوں سے حجّن محترمات کے سروں پر پانی ڈال رہے تھے اور وہ اپنے بالوں کو کھلے عام شمپو کر رہی تھیں یعنی احرام اتر چکے تھے یا شرم وحیا بھی ساتھ ہی اتر گئی تھی کہ یوں سر کوہ منظرِ عام پر بیٹھ کر شمپو ہو رہا تھا

غرض شام ہوتے ہوتے ہمیں تو ایسا معلوم ہوا کہ منیٰ کے حاجی کیمپ میں بالکل پرستان کا سماں بندھ گیا ہے جدھر نگاہ جاتی تھی ، پریاں نظر آتی تھیں ۔ شوخ وشنگ لباس میک اپ اور زیورات میں سے کوئی بھی ارمان ایسا نہ تھا جو حجّن بیبیوں نے پورا نہ کیا ہو ۔ دوسری طرف حاجی حضرات بھی عید مناتے پر پوری طرح مُصِر تھے ۔ گلے میں سونے کے لاکٹ پہنے آنکھیں سینکتے پھر رہے تھے ۔ کیوں نہ ہو جبکہ حجّن محترمات ناز پان مصالحہ کی ماڈل گرل کا نمونہ بنی ہوئی تھیں ۔

یہ لیجئے نک سُک تک آراستہ حجّنیں پہاڑیوں پر کھڑی حاجی حضرات کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پوز بدل بدل کر تصویریں اتروا رہی ہیں ادھر فوٹو گرافر مطالبہ کر رہا ہے کہ ذرا مسکرائیے ! سچ پوچھئے تو کسی فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کا سماں ہے ۔ کیا غضب کا فلمی حج ہے ۔"

(ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ بابت نومبر ۱۹۸۶ صہ ۱۶)

---

۵ ۔ حج کے معلّم

حج کے موقع پر حاجیوں کی دیکھ بھال کے لیے حکومتِ سعودی عرب نے معلم مقرر کر رکھے ہیں ۔ اس دیکھ بھال کے لیے حاجی لوگ انہیں کافی فیس ادا کرتے ہیں ۔ ان معلموں کے بارے میں یہی حاجن صاحب لکھتی ہیں :-

"ایام حج ختم ہونے کے بعد منیٰ سے واپسی کے وقت معلم صاحب حاجیوں کو رخصت فرما رہے تھے۔ اور اگلے سال پھر خدمت کا موقع دینے کی تاکید کر رہے تھے۔ کہ ایک بزرگ خاتون نے بس کی کھڑکی سے منہ نکال کر انہیں مشورہ دیا "میاں! تم یہ حج درج کرانے کا چکر چھوڑو اور بس اپنا ویڈیو کا کاروبار کرو کہ تمہیں یہی سجتا ہے"۔

بعد میں معلوم ہوا کہ معلم صاحب کا مکے اور جدے میں ویڈیو کا بڑا وسیع کاروبار ہے۔ بہت سی ایسی بھارتی فلمیں جن پر فحش ہونے کی وجہ سے بھارت میں پابندی لگا دی گئی اور کہیں نہیں مل رہی تھیں وہ شائقین کو ان کے سٹور سے دستیاب ہو گئیں۔ انہی معلم صاحب کی دوکان پر عین حرم شریف کے سامنے ہرے کرشن ہرے رام، میں نشے میں ہوں، اور بول رادھا بول، کے راگ الاپے جاتے ہیں۔

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

(ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ بابت نومبر ۸۶ ص ۱۸)

۶- عمرہ اور فلموں کی نمائش

فریضہ حج تو صرف حج کے مہینوں میں ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہی عبادت اگر حج کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ادا کی جائے تو اسے عمرہ کہتے ہیں۔ عمرہ ادا کرنے کے لئے بھی ہمارے ملک سے کافی لوگ ہر سال مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ حاجن صاحبہ فرماتی ہیں:۔

"حاجیوں کے بعد اب سنیئے عمرے کی غرض سے آنے والوں کی رام کہانی۔ ایک بزرگ کراچی سے عمرے کے لیے آئے، جدے کے ایک پاکستانی ریستوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے یکایک بیرے نے آکر سرگوشی کی۔ "صاحب جی! اوپر کی منزل میں آگ لگ رہی ہے سب لوگ دیکھ رہے ہیں، آپ کو بھی دیکھنی ہو تو اوپر آجایئے گا۔ دس ریال ٹکٹ ہے۔

اس بھولے بھالے بزرگ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ یا اللہ! یہ کیسی آگ ہے کہ سب لوگ دس دس ریال کا ٹکٹ لے کر دیکھ رہے ہیں اور کوئی بندۂ خدا نہیں بجھاتا۔ بے اختیار فرمانے لگے "میاں! آگ لگ رہی ہے تو فائر بریگیڈ والوں کو فون کر دو کہ آکر آگ بجھائیں۔ تم لوگوں کو تماش بینی کا اس قدر شوق ہو گیا ہے کہ آگ جیسی چیز کا بھی تماشا بنا لیتے ہو"۔

اس پر بیرے نے ہنس کر مزید روشنی ڈالی کہ صاحب، اوپر آگ نام کی فلم چل رہی ہے سچ مچ کی آگ

نہیں ہے۔ بیرا یہ کہہ رہا تھا اور وہ بزرگ حیرانی سے اس کا منہ تک رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہ کراچی سے ارضِ مقدس عمرہ کرنے آئے ہیں یا فلمیں دیکھنے۔" (الضیاً صفحہ ۱۸، ۱۹)

۷۔ وفاقی شرعی عدالت کا ایک اہم فیصلہ

ڈیڑھ دو سال پہلے وفاقی شرعی عدالت نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ گھڑ دوڑ پر جو شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ وہ خالص جوأ ہیں جو شریعت اسلامی کے مطابق مطلقاً حرام ہیں۔ لیکن شرعی عدالت کے اس فیصلے کے باوجود یہ جوأ ابھی تک جاری ہے جس کی مندرجہ ذیل تفصیلات روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۳۰ اکتوبر ۸۶ کی اشاعت میں شائع ہوئی ہیں۔

"لاہور ریس کلب کوٹ لکھپت گزشتہ دو برسوں سے شہر کا سب سے بڑا جوا خانہ بن کر رہ گیا ہے ہر ریس والے دن ریس کلب میں گھوڑوں کی دوڑ پر لاکھوں روپے کی شرطیں لگائی جاتی ہیں گھڑ دوڑ پر ۹ سو بک میکروں کے ذریعے شرطیں لگائی جاتی ہیں اور یہ کاروبار ریس کلب کی کنٹین کے ساتھ بڑے دھڑے کے ساتھ کیا جاتا ہے ہر اتوار اور جمعرات کے دن جب ریس ہوتی ہے غیر ممبر ۴۰ روپے کا ٹکٹ خرید کر ریس کلب میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ٹکٹ پر درج ہوتا ہے کہ "ٹکٹ خریدنے والا ریس کے سٹیوارڈ کے فیصلہ کو قبول کرنے کا پابند ہو گا"۔ نیز ہر قسم کی شرط لگانا منع ہے اس پابندی کو مشتہر کرنے کے لیے جگہ جگہ بورڈ لگائے گئے ہیں جبکہ ریس کلب کی کنٹین کے ساتھ اس پابندی کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اور جنہیں ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ ریس شروع ہونے سے پہلے بک میکر اور ان کے کارندے شرطوں کا اعلان کرنے لگتے ہیں ہر بک میکر کا سٹینڈ علیحدہ ہے اور وہاں بلیک بورڈ نصب ہیں۔ ان بورڈوں پر ریس میں دوڑنے والے گھوڑوں کی فہرست آویزاں کر دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر ریس کے لیے شرط کا اعلان کر دیا جاتا ہے ریس شروع ہونے سے پندرہ منٹ پہلے تک ریس میں کامیاب ہونے والے گھوڑوں کی فہرست تبدیل ہوتی رہتی ہے ہر شرط لگانے والے کو ایک کارڈ دیا جاتا ہے جس پر شرط کی رقم لکھی ہوئی ہوتی ہے بعض بک میکر اپنے ناموں کی جگہ صرف "ڈی اینڈ ایم" "اے اینڈ این" یا ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ کسی قانونی گرفت میں آنے سے بچے رہیں۔ جبکہ بیشتر اپنا نام لکھنے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔ ہر بک میکر ریس کلب کی انتظامیہ کو ہر ریس کے دن کا ۴۰۰ روپے معاوضہ ادا کرتا ہے۔ بک میکر کی رکنیت کو فیس کا نام دیا جاتا ہے۔ ہر بک میکر کے سات سے دس تک معاونین ہوتے ہیں۔ اس ماہانہ اخراجات کا اندازہ ۲ لاکھ روپے کے لگ بھگ لگایا گیا ہے بک

میکر کی آمدنی کا صرف اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے تاہم ایک ریس پر کم و بیش ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس طرح ہر ماہ کے دوران ۸ ریسوں کی آمدنی ۱۲ کروڑ روپے تک پہنچتی ہے۔ جب سے ریس کورس کوٹ لکھپت میں منتقل کیا گیا ہے، گزشتہ ۵ برسوں کی اس مدت کے دوران وہاں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جب گھڑ دوڑ پر شرطیں نہ لگائی گئی ہوں۔ پہلے یہ شرطیں خفیہ طور پر لگائی جاتی تھیں۔ اب قمار بازی کھلے عام ہوتی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ریس کلب کے سٹیوارڈ لاہور کے معزز شہری ہیں۔ ان میں بعض نمایاں سیاسی شخصیات، سرکاری افسر اور صنعت کار شامل ہیں۔ اس معاملے کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے یوں ظاہر کر رہے ہیں۔ جیسے انہیں ریس کورس میں سالہا سال سے جاری جوا بازی کا سرے سے یہ علم نہیں ہے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۸۶)

یہ تفصیلات ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جیسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں، جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ کار کے بڑھانے کو اسلامی نظام کے قیام کی ضمانت سمجھتے ہیں۔

۸- اہلحدیث کا انکار حدیث اور تحریف حدیث

پچھلے سال کی بات ہے کہ طلوع اسلام نے اہلحدیث کے ایک اخبار کی توجہ احادیث میں تحریف اور صحیح احادیث سے انکار کی طرف دلائی تھی صحیح احادیث زمین کی بٹائی کے حرام ہونے کے بارے میں تھیں، جنہیں رسول اللہ صلعم نے اپنی زبان مبارک سے سود قرار دے دیا تھا اور تحریف کا تعلق ان احادیث سے تھا جو اس اخبار میں درود کی عبارت میں 'آلہٖ' کے اضافے کے ساتھ شائع ہو رہی تھیں۔ ہم نے اخبار مذکور کی توجہ اس طرف دلائی کہ حدیث کے متداول ۷، ۹ مجموعوں میں کسی میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ اسلئے وہ تحریف حدیث کے مرتکب ہو رہے ہیں اس کے ساتھ ہم نے یہ بھی ثابت کیا تھا۔ کہ احادیث میں اہلحدیث کا یہ اضافہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

اخبار اہلحدیث نے بٹائی کو حرام قرار دینے والی احادیث سے تو آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ ان صحیح احادیث کے ماننے سے ان کے مالی مفاد پر زد پڑتی تھی۔ چاہے اس سے کروڑوں انسانوں کا بھلا ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔ لیکن درود میں لفظ 'آلہٖ' کے اضافے کے بارے میں خلط مبحث کے ذریعے اس نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ کہ درود کی عبارت 'آلہٖ' کے لفظ کے اضافے کے ساتھ زیادہ مناسب اور صحیح ہے۔ اس سلسلے میں جو دلائل دیئے گئے اس سے قرآن کی صحت کو بھی مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ہم نے اس قسم کی لایعنی بحث میں الجھنے

کی بجائے یہ عرض کیا کہ اگر درود میں لفظ 'الہ' والی عبارت ہی زیادہ مناسب اور صحیح ہے تو اس سے حدیث کے تمام سنتالیس مجموعوں میں جمع کردہ احادیث کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے کیونکہ جامعین نے تو درود 'الہ' کے اضافے کے بغیر ہی لکھا ہے۔ اور درود کی جس عبارت کو اہلحدیث زیادہ مناسب اور صحیح قرار دے رہے ہیں۔ انہیں اس کا علم تک نہ تھا۔ تو اہلحدیث کے اس رجوع کی رو سے جو جامعینِ حدیث درود جیسی مشہور عبارت کے مناسب اور صحیح متن سے آگاہ نہیں تھے، اُن کی روایت کردہ دوسری احادیث کے متن کی کیا حیثیت ہوگی۔ اس کا ہفت روزہ اہلحدیث نے کوئی جواب نہیں دیا۔

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع اسلام نے اہل حدیث کی جو تحریفِ حدیث والی غلطی پکڑی ہے۔ وہ ایک کانٹے کی طرح اہل حدیث علماء کے سینوں میں پیوست ہو گئی ہے۔ ہفت روزہ اہلحدیث تو خاموش ہو گیا لیکن ان کے ایک ماہنامے 'محدث' نے اس مسئلہ کو دوبارہ اٹھایا ہے۔ حسب سابق اُن کے اس ماہنامے نے بھی بٹائی کو حرام قرار دینے والی صحیح احادیث کہ جن سے کروڑوں انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے ان کے مالی مفاد پر زد پڑتی ہے۔ اسلئے وہ ان صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ تاہم اس نے درود کی عبارت میں لفظ 'الہ' کے اضافے والی بحث کو اپنے اگست، ستمبر اور اکتوبر ۸۶ کے شماروں میں اچھالا ہے۔ لیکن ہفت روزہ اہلحدیث کی طرح ہمارے سوال کا کوئی واضح جواب دینے کی بجائے غلط مبحث کی کوشش کی ہے۔

ہمارا سوال یہ تھا کہ اگر 'الہ' کے اضافے والی درود کی عبارت صحیح ہے اور اہلحدیث کو اس کے زیادہ مناسب اور صحیح ہونے پر اصرار ہے تو پھر حدیث کی ۷، ۸ مجموعوں میں درج شدہ احادیث کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے کیونکہ ان میں سے کسی مجموعے میں درود کی وہ عبارت استعمال نہیں کی گئی جس کے زیادہ مناسب ہونے پر اہلحدیث اصرار کر رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے درود کی وہی عبارت استعمال کی ہے جو عربی زبان کے قواعد کے مطابق صحیح ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع اسلام کی اس گرفت نے اہلحدیث علماء کا سکون تباہ کر دیا ہے اگر وہ اپنی غلطی مان لیں تو انہیں طلوع اسلام کی علمی برتری تسلیم کرنی پڑتی ہے کیونکہ ایک طرف اہل حدیث فرقے کے ہزاروں علماء تھے اور دوسری طرف اکیلا طلوع اسلام کہ جس کے متعلق یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے تھے کہ اسے عربی زبان نہیں آتی۔ لیکن وہ مولوی ہی کیا جو حق بات تسلیم کر لے۔ اور اپنی غلط باتوں پر اڑے رہنے کی وجہ سے انہوں نے امتِ اسلامیہ کو فرقوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور اب یہ حضرات ایسے ہی غلط طرزِ عمل سے احادیث کے مجموعوں کو مشکوک بنا رہے ہیں۔

ان اہلحدیث علماء میں اگر اخلاص کی کوئی معمولی سی رمق بھی باقی ہے تو ہم انہیں ایک دوسری طرح سمجھاتے ہیں، شاید وہ اس کے بعد تحریف حدیث سے باز آجائیں۔ سعودی عرب کا ملک ان کے نزدیک اسلام کا مرکز ہے اور وہاں

کے علماء ان کے نزدیک دین میں سند۔ وہاں سے سینکڑوں اخبارات اور رسائل شائع ہوتے رہے۔ لیکن کسی میں بھی وہ 'الہ' کے اضافے والا درود نظر نہیں آتا۔ جس کے زیادہ صحیح ہونے پر اہلِ حدیث کو اصرار ہے۔ وہ تو درود کی وہی عبارات استعمال کرتے ہیں جو عربی قواعد کے مطابق صحیح ہے۔ کیا یہ دلیل ان لوگوں کو تحریف حدیث سے باز رکھنے کے لیے کافی ہے یا نہیں۔

نوٹ : مزید تفصیلات کے لیے طلوع اسلام بابت مارچ اور اکتوبر ۸۶ ملاحظہ فرمائیں۔

بقیہ: "اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام" صـ۳۷ سے مسلسل

۵۔ اس کی رو سے زندگی کا کوئی شعبہ یا گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ اس کے لیے مردوں میں تو صلاحیت ہے لیکن عورتیں اس سے محروم ہیں۔ ہر گوشہ میں عورتوں اور مردوں کی یکساں حیثیتیں ہیں۔

۶۔ تلاشِ حقیقت، حصولِ علم، مملکتی اور بین المملکتی امور کے لیے عورتیں سیاحت اور دنیا کا سفر اُسی طرح کر سکتی ہیں جس طرح مرد ۹/۱۱۲، ۶۶/۵

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اُس جماعتِ مؤمنین کے افراد جن میں سے سربراہِ مملکت کا انتخاب ہو سکتا ہے، کے فرائضِ خصوصی کے لیے اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ فرمایا ہے جو قرآنِ حکیم کا خود بھی تابع ہوتا ہے اور افرادِ مملکت کو بھی اُس کا حکم دیتا ہے۔ ۹/۷۱ اسے امیر کہا جا سکتا ہے۔

۸۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی یکساں فرائضِ منصبی کے لیے یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۹/۷۱

۹۔ جس طرح قانون اور حکومت (قوتِ نافذہ) ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں۔ (TWO FACES OF THE SAME COIN)
اسی طرح مرد اور عورت قوتِ نافذہ کے دو رُخ ہیں ۲۲/۴۱

۱۰۔ اس طرح اسلامی مملکت میں کوئی منصب ایسا نہیں جس پر عورت فائز نہ ہو سکتی ہو۔

۱۱۔ فَلِهٰذَا اسلام میں کسی عورت کی سربراہی خواہ حکومتی سطح پر ہو خواہ میدانِ سیاست میں، ہر طرح سے جائز ہے۔ اس پر کوئی قدغن نہیں۔ اگر کوئی شرط ہے تو وہ اہلیت کی ہے جو مردوں کے لیے بھی یکساں ہے۔ اس میں نہ عمر کا سوال ہے اور نہ ہی متاہل یا تجرد کی زندگی کا۔

طلوعِ اسلام کا مقصد و مسلک

(جسے معلوماتِ عامہ کے لئے وقتاً فوقتاً شائع کیا جاتا ہے۔)

(۱) تنہا عقلِ انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنے رہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

(۲) خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے ابد تک ضابطۂ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضورؐ رسالتمآب خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

(۳) قرآنِ کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابعِ تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے

(۴) کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

نبی اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ، شرف و عظمتِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوعِ انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کا جو حصّہ قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصّہ جو قرآن سے باہر ہے۔ سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی اصول صحابۂ کبارؓ کی سیرتِ مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہیئے۔

(۵) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظامِ مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظامِ زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہو سکتا۔

(۶) رسول اللہؐ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چارد یواری کے اندر رہتے ہوئے امورِ مملکت اُمت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

(۷) رسول اللہؐ کے بعد دین کا وہی نظام حضورؐ کے خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔ اس میں امورِ مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو رسول اللہؐ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآنِ کریم نے

صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر اُمت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کہا جاتا ہے۔

(۸) بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے اُمت میں انتشار پیدا ہوگیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور، دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن اب مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہوگئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

(۹) ہمارے لئے کام کرنے کا یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو اُمت کو احکام و قوانینِ خداوندی کے مطابق چلائے۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانینِ خداوندی کے تابع ہوگی۔

(۱۰) چونکہ دین کا نظام (خلافتِ علیٰ منہاجِ رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا۔ اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کیلئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمد گر مدغم ہو جائیں گے۔

(۱۱) جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا، اُمت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز، روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردّ و بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کرکے اُسے "خدا اور رسول" کا طریقہ قرار دے۔

(۱۲) قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی، روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

(۱۳) قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

(۱۴) جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآنِ کریم کے مطابق ہو، یا جس سے حضور نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

(۱۵) ہم، رسول اللہؐ کے بعد، ہر قسم کے مدعیٔ وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

(۱۶) طلوعِ اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقۂ اہلِ قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں) نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ اُمت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں، ہم ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں کرتے۔ اور بلا ردّ و بدل ان کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم قرآنِ کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاجِ رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مسلک، جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے، وہ مخالفین کا گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے۔

ادارہ طلوعِ اسلام لاہور نے اشرف پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر ۲۵-بی گلبرگ نمبر ۲ لاہور سے شائع کیا۔

ابلیس و آدم

پرویز صاحب نے جب سلسلۂ معارف القرآن شروع کیا تو من و یزداں (اللہ) کے بعد دوسری جلد ابلیس و آدم کے عنوان سے شائع کی تھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں۔ اس کے بعد یہ کتاب کمیاب تھی۔ اس لئے اس کا چوتھا ایڈیشن شائع کرنا پڑا

کتاب کے مشمولات سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگ سکتا ہے

۱۔ انسان کی تخلیق۔
۲۔ نظریۂ ارتقا
۳۔ قصۂ آدم۔
۴۔ ابلیس۔
۵۔ شیطان۔
۶۔ جنّات۔
۷۔ ملائکہ۔
۸۔ روح (نفس)
۹۔ وحی (کشف و الہام)
۱۰۔ نبوّت اور رسالت۔
۱۱۔ کیا تمام مذاہب سچے ہیں؟

کتاب دستیاب بہترین سفید کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔ بڑی تقطیع ضخامت پونے چارسو صفحات۔ جلد مضبوط خوبصورت مزیّن اور مطلّا قیمت فی جلد -/۷۵ روپے علاوہ محصول ڈاک

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲۔ لاہور

ہمسایوں کے آداب

آج کا موضوعِ گفتگو ہمسایوں کے آداب ہے۔ اس کے تعلق سے کسی دانا و بینا نے کیا عمدہ اور جامع بات کہی ہے۔ ہمسایا ماں جایا۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان تین لفظوں میں ہمسایوں کے آداب کی پوری تشریح سمٹ کر آگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمسائے کو ماں جائے کی سطح پر رکھ کر وہ ان تمام حقوق و آداب کا مستحق ہو جاتا ہے جو ماں جایوں کے ہوتے ہیں۔ ہمسائے کو اپنے سائے کی طرح سمجھ لینے سے ہمسائے اور ماں جائے میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ نہ ہی ان کے آداب سے پہلو تہی کی جا سکتی ہے۔

اس مساوات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمسائے بھی یقیناً اسی اچھے سلوک کا حق رکھتے ہیں جو ہم اپنے بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب سے کرتے ہیں۔ بلکہ ہمسایوں کا تو اتنا قریبی اور مضبوط تعلق ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کی مختلف منزلوں میں اپنے والدین اور بہن بھائی تو کسی نہ کسی وقت ضرور ہم سے بچھڑ جاتے ہیں اور ہمارے درمیان فاصلوں کی دوریاں اور جدائیاں حائل ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے ہمسایوں کا ساتھ کبھی نہیں چھٹتا۔ ہم خدا تعالیٰ کی اس وسیع و عریض زمین کے کسی حصے میں بھی جا بسیں۔ کوئی نہ کوئی ہمسایہ ہمیں ضرور مل جائے گا۔ چنانچہ جسطرح ہمارا سایہ ہم سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہمارا ہمسایہ ہماری رفاقت نہیں چھوڑتا۔

درحقیقت ہمارا پورا معاشرہ ہمسائیگی کی بنیاد پر ہی قائم ہوتا ہے اور ہم اپنی تمدنی زندگی کی گاڑی کو ایک دوسرے کا پڑوسی بن کر ہی آگے چلا سکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زندگی کے کسی معاملے میں بھی تاریکی میں نہیں رکھا۔ اس نے اچھی اور متوازن انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے ہر قسم کی ہدایت نازل کی ہے اور انسانوں کے آپس کے تعلقات بہتر اور خوشگوار بنانے کے لئے ہمیں قرآن حکیم سے قدم قدم پر رہنمائی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں حسنِ سلوک کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں جس طرح والدین سے حسنِ سلوک کرنے کی تاکید آئی ہے اسی طرح رشتے داروں، یتیموں، مسافروں ضرورتمندوں اور ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم آیا ہے۔ سورہ النساء میں ہمسایوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ خواہ وہ قریب کے ہمسائے ہوں یا دور کے۔ اپنے ہوں یا بیگانے۔ رشتے دار ہوں یا غیر رشتے دار

کوئی بھی حیثیت رکھتے ہوں۔ ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنا ہوگا۔ ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے اس قرآنی حکم کے مطابق سرورِ کائنات جناب رسالتمآب نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر بار بار اس کی تاکید فرمائی کہ ہمسایوں کی خبرگیری کی جائے اور ان کے دکھ سکھ میں خیرخواہی کے ساتھ شریک ہوا جائے۔ آپؐ کا فرمانِ قدسی ہے کہ اگر کسی کا ہمسایہ بھوکا ہے اور روٹی حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنا پیٹ بھرنے سے پہلے اپنے ہمسائے کی روٹی کا انتظام کرے کیونکہ یہ مومن کا شیوہ نہیں کہ وہ خود تو پیٹ بھر کر روٹی کھالے مگر اس کے ہمسائے کی رات فاقے میں کٹے۔ مومنین کا شعار تو یہ ہوتا ہے کہ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط یعنی وہ ہمیشہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ انہیں خود تنگی سے ہی گزارہ کیوں نہ کرنا پڑے۔ ایمان کا یہ اولیں تقاضا ہے کہ انسان کا سینہ جوہرِ انسانیت سے معمور ہو۔ وہ اخلاقِ کریمانہ کا پیکر ہو۔ دوسروں کی امداد میں خوشی محسوس کرے۔ دوسرے کو امن دے سکے۔ ایک موقع پر رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ بیشک وہ شخص صاحبِ ایمان نہیں جس کی برائیوں سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔ دوسری جگہ آپؐ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ کون! فرمایا جس سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔ ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ حضور رسالتمآبؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتاؤں جو نماز اور روزے جیسی افضل ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ہم ضرور سنیں گے۔ آپؐ نے فرمایا آپس کے معاملات کو کھرا اور تعلقات کو خوشگوار رکھنا۔ آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو بندہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔

قرآن حکیم کے فرمان اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں ہمسایوں کے آداب کی اہمیت واضح طور پر جان لینے کے بعد ہم بحیثیت مسلمان بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھے تعلقات ہی معاشرے کو مجموعی طور پر اچھا بنانے اور متوازن رکھنے کی بنیاد بنتے ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہمیں اکیلی اکیلی زندگی گزارنے کا سبق نہیں دیتا۔ نہ ہی وہ صرف اپنی ذات کے خول کے اندر چھپا رہنا سکھاتا ہے۔ اسلام تو جماعت کا نام ہے اور مل جُل کر ایک دوسرے کا معاون و مددگار بن کر زندگی کی برکتوں اور سرفرازیوں سے فیضیاب ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہمسایوں کیساتھ نیک سلوک اور اچھا تعلق قائم کر کے ہم جماعتی زندگی کا بہترین آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ایک گھر کے رہنے والوں کے ساتھ کے گھر کے رہنے والے ان کے ہمسائے کہلاتے ہیں اور ان کے ہمسائے ان کے ساتھ کے گھروں کے رہنے والے۔ اس طرح یہ سلسلہ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی ہمسائیگی ایک کو دوسرے کے قریب کرتی چلی جاتی ہے۔ آپس کے سلوک کی

نیکی کے موتیوں سے تمام لوگ ایک لڑی میں پرو دیئے جاتے ہیں۔ کوئی کسی کے لئے غیر نہیں رہتا۔ میرے تیرے کی تفریق سر نہیں ابھارتی۔ ہر شخص ایک دوسرے کا سایہ بن جاتا ہے۔ اور ہمسائیگی کا یہ سہارا ہر انسان کے دل سے اپنے جیسے دوسرے انسان کا خوف و خطر دُور کر کے چاروں طرف محبّت اور خلوص کی فضا پیدا کرتا ہے۔ آج میں تیری خوشی میں شریک ہوا۔ کل تو میرے دُکھ کا ساتھی بنا۔ اس طرح ایک دوسرے کے کام پورے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور کہیں کوئی روک حیاتِ انسانی کا روگ نہیں بن پاتی۔ مگر یہ سب اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب حضور اکرمؐ کے ارشادات کے مطابق ہمسایوں کے آداب کا اپنے قول و فعل سے پورا پورا خیال رکھا جائے۔ مثلاً سلامتی کی دعا دیتے ہوئے صدق دل سے السلامُ علیکم کہتے ہوئے ایک دوسرے سے ملنا۔ بات چیت میں نرمی اور ملائمت سے کام لینا۔ کوئی معاملہ پڑنے پہ نیک نیتی اور حسن و عمل سے اسے حل کرنا۔ تعاون اور خیر خواہی کے مواقع پہ دستِ تعاون کشادہ رکھنا۔ خوشی اور مسرّت کے موقعوں پہ ایک دوسرے کا اظہارِ مسرّت کرنا اور مبارک باد دینا۔ بیماری کی حالت میں تیمار داری کرنا۔ غم میں برابر کا شریک ہونا۔ اگر ایک سے کوئی زیادتی ہو جائے دوسرے کا عفو و درگذر سے کام لینا۔ دوسرے کے عیوب کی ٹوہ میں نہ رہنا۔ ایک دوسرے کی دعوت کو خوش دلی سے قبول کرنا۔ ایک دوسرے کی اولاد کے لئے نیک خیالات رکھنا۔ ان سے ملاطفت سے پیش آنا۔ یہ سب باتیں اس حسنِ سلوک میں شامل ہے جسے ہمسایوں کے ساتھ کرنے کا خدا اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے۔ ہمسایوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ابتداء چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتی ہے۔ درمیان میں سے اجنبیت کی دیوار ہٹانے کے لئے کسی ایک کو پہل کرنا ہوتی ہے اور افضلیت اسی کو ملتی ہے جو مسکرا کر سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔ مخاطب سے متبسّم چہرے کے ساتھ پیش آنا سب سے پہلی نیکی اور ہمسایوں کے آداب کی پہلی کڑی ہے۔ یوں آپس کے تعلقات بڑھانے اور بہتر بنانے کے لئے خوش خلقی سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں۔ خوش خلقی کے تعلق سے ہمارے رہبر کامل کا فرمان ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے بہترین ہو۔ اور یہ کہ کامل ترین ایمان ان لوگوں کا ہے جو اخلاق کے لحاظ سے اچھے ہوں۔ حضورؐ نے یہ نوید بھی سنائی کہ قیامت کے روز ——— میزان میں حسنِ خلق سے زیادہ بھاری کوئی دوسری شے نہ ہوگی۔ اسی عظمتِ اخلاق کی بدولت تمام ہمسایوں میں وہ سچّی رفاقت قائم ہوتی ہے جس کی پاکیزہ و ارفع خوشبو سے ہمارا معاشرہ مہک اٹھتا ہے۔ اخلاق کی بناء پر ہمسایوں سے جو قربت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ذاتی سکون و چین کی طرح ہمسایوں کے لئے آرام و راحت مہیّا کرنے سے غافل نہیں رہنے دیتی۔ پھر ان کے دُکھ درد میں کام آنے کے لئے کسی کے کہلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر ہمسائے کی خوشیاں اپنی خوشیاں اور اس کے غم اپنے غم بن جاتے ہیں۔

ہمسائیگی کے حقوق جاننے والے اللہ کے بندے کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتے جس کی وجہ سے گھروں اور محلے میں فساد پھیلے اور دلوں کے شیشوں میں بال پڑیں۔ ہمسائیگی کے آداب کا وقوف رکھنے والوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کسی بے وقت بھی ہمسایوں کو کوئی ضرورت آن پڑے تو یہ سارے کام چھوڑ کر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ تلخ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مذکورہ ماحول کا نقشہ ہمیں اپنی شہری زندگی میں آٹے میں نمک کے برابر ہی نظر آتا ہے۔ برعکس اس کے ہمارے ہاں تو اب عام طور پر ہمسائیگی کا تصور ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نظر بظاہر سب لوگ ایک دوسرے کے نزدیک گھروں میں ہی رہتے ہیں۔ یعنی ہر علاقے میں گھروں کا ساتھ موجود ہوتا ہے۔ مگر ایک گھر کے افراد دوسرے گھر کے افراد کے ہمسائے نہیں ہوتے۔ ہم شہریوں کو نفسانفسی نے اس طرح گھیر لیا ہے گویا ہمیں اپنے سوا کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا۔ ہم ایک گھر کے رہنے والے یہ تک نہیں جانتے کہ ساتھ والے گھر میں کون رہتا ہے۔ خوش ہے یا غمزدہ، کسی تکلیف میں ہے یا کوئی ضرورتمند۔ ہم اس سے لاعلمی میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ہمسائے کی خوشیوں سے کوئی واسطہ ہے نہ غموں میں شریک ہونے سے کوئی تعلق۔ ظاہر ہے کہ ایسی انسانیت کش صورت حال میں ہمسایوں کے آداب کی کوئی وقعت ہی نہیں رہتی بلکہ رہنے نہیں دی جاتی۔ اس کے مقابلے میں البتہ ہمارے دیہاتوں میں رہنے والے بہن بھائی بہت حد تک اس بدعت سے محفوظ ہیں۔ وہ ہم شہریوں سے کہیں زیادہ ایک دوسرے کا خیال رکھتے اور مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ اڑوس پڑوس میں کوئی بال بچہ بیمار پڑ جائے تو اپنے بچوں کی طرح ہر وقت اس کی خبر رکھنا اور اس کی دوا دارو کا انتظام کرنا دیہاتی ہمسایوں کا خاص وصف ہے۔ اپنے گھر میں کوئی خاص چیز پکے تو اس میں سے پہلے اپنے پڑوسی کا حصہ نکالنا بھی ہمیں اپنے دیہاتوں کی برادری میں زیادہ نظر آئے گا۔ بہرکیف انسانی زندگی شہروں سے تعلق رکھتی ہو یا دیہاتوں سے، زندگی کی وہ مستقل قدریں جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں شہریوں اور دیہاتیوں پر یکساں لاگو ہوتی ہیں اور انسان کے شہری یا دیہاتی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی پوری انسانیت ایک برادری ہے۔ اس زندہ حقیقت کو ہمسائیگی کا عالمگیری رشتہ جس حسن و خوبی سے سمجھاتا ہے۔ اسے ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی رشتے کی اساس پر نوع انسانی ایک وحدت بن کر اس کی دنیاوی زندگی کو بھی جنت بناتی اور اُخروی جنت کا راستہ بھی دکھاتی ہے۔ اس موقع پر ہمیں یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ہمسایوں کے ساتھ تعاون خیر اور برّ کے کاموں میں کیا جائے گا۔ شر اور بدی کرنے والوں کے ساتھ تعاون کرنے سے ہمارے ضابطۂ حیات قرآن کریم

نے شدت سے منع کیا ہے کہ یہ امر انسانیت کے حق میں سم قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ ہمسایوں کے لئے بھی ویسا ہی مہلک ہوتا ہے۔ انسانیت کی برومندی کے لئے قرآن نے ہمیں ایک اور عظیم اصول عطا کیا ہے اور وہ ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ یعنی بے شک تمام مومنین آپس میں اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارے ہمسائے بھی رشتۂ اخوت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر جو حقوق بہن بھائیوں کو حاصل ہوتے ہیں وہی حقوق ہمسایوں کو بھی دیئے جائیں گے اور کسی طرح بھی ان میں کوئی کمی نہیں ہو سکے گی۔ اگر اس وسعت نگاہ اور کشادگی دل سے ہمسایوں کو رشتۂ اخوت سے منسلک کیا جائے تو ایک گھر کے افراد اور ساتھ والے گھر کے افراد ایک ہو جائیں۔ ان میں کسی قسم کی اجنبیت و غیریت باقی نہ رہے۔ اخوت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ افراد معاشرہ مل جل کر ایک دوسرے کے بازو بنیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ ایک دوسرے کی نشوونما کا ذریعہ بنیں۔ اپنی ہمت طاقت اور کوشش سے صرف اپنی ذات ہی کا نفع نہ ڈھونڈیں بلکہ اپنے بہن بھائیوں کا پہلے خیال کریں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر ہر شخص اپنی جگہ ایسا حسن عمل اختیار کرے اور اخوت کی لم کو سامنے رکھتے ہوئے ہمسایوں سے تعلقات قائم کرے اور ان کے آداب پورے کرے تو کیا ہمارے گھروں میں اور گھروں سے باہر پورے معاشرے میں وہ حسن و توازن اور سکون و اطمینان برقرار نہ ہو جائے جس کی بطور خاص ہمارے بے چین معاشرے کو اولین ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ اس آیت جلیلہ کا مطلب یہ ہے کہ تم سب ربانی بن جاؤ اس کتاب کے ذریعے جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کی تعلیم تمہارے دلوں میں نقش ہو جاتی ہے۔ یعنی دین اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمیں ربانی بن کر زندگی گزارنی چاہیئے۔ اور ربانی بننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کے اس طرح کام آئیں کہ کسی کی کوئی جائز ضرورت رکی نہ رہے اور ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں سے پوری طرح کام لینے کا اور ان کو ترقی دینے کا موقع ملتا رہے۔ جب ہم ہمسایوں کے آداب کی بات کرتے ہیں تو درحقیقت یہ آداب انسانیت کی بات ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا انسانیت کی عمارت ہمسائگی کی بنیاد پر ہی اٹھتی ہے۔ جہاں ہمسایوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے، وہاں انسانیت کے گلاب نہیں کھلتے بجائے اس کے وہاں مفاد پرستی کے ببول اگتے ہیں اور انسانی معاشرہ کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی مدد کیوں کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام انسان آپس میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ایک جسم کے اعضاء ایک دوسرے سے رکھتے ہیں۔ ان اعضاء کی کیفیت یہ ہے کہ ہاتھوں سے کام کرنے والا یا درس و تدریس دینے

[illegible] سے کام لینے والا ایسا کبھی نہیں کرتا کہ اپنی کمائی کو صرف ہاتھوں یا زبان پر خرچ کرتا ہو اور باقی اعضاء کو اس سے محروم رکھتا ہو۔ صورت یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں ایک کے نقصان سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے اور اس سے دوسرے اعضاء کی صلاحیتِ کار بھی گھٹ جاتی ہے۔ اس لئے جسم کا کوئی حصہ بھی کمائے اس سے فائدہ اٹھانے کا حق پورے جسم کو ہے۔ اور ہر عضو کے کام کرنے کی صلاحیّت۔ تحفّظ اور ترقی پورے جسم کی صحت و سلامتی سے وابستہ ہے۔ اسی طرح نوعِ انسانی کے افراد بھی جسمِ انسانیّت یعنی انسانی معاشرے کے مختلف اعضاء ہیں۔ ان پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے پورے جسم یعنی انسانی معاشرے کی صحت و سلامتی کا خیال رکھیں۔ اس کے بغیر وہ نہ مہذّب و متمدّن ہوسکتا ہے نہ اسے ترقی و خوشحالی حاصل ہوسکتی ہے۔ محسنِ انسانیت ہادیٔ اعظم جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سلسلہ میں فرمایا تھا کہ بنی نوع انسان اعضائے جسمانی کی طرح ہیں کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ انسان میں ایثار و ہمدردی اور وحدت و یک جہتی کا احساس پورے معاشرے کے لئے امن و سکون کا ضامن بنتا ہے۔ اگر ہم سمجھیں تو ہمسایوں کے آداب اس لئے زیادہ اہمیّت رکھتے ہیں کہ ہمسائگی کا اخلاص پر مبنی رشتہ انسان کو صحیح معنوں میں انسان کے قریب کرتا اور اس کی اس تنہائی کے احساس کو ختم کرنے میں بڑا کردار ادا کرتا ہے جو اسے اندر ہی اندر گھلاتا رہتا ہے۔ جس سے وہ خود کو بھری محفل میں بھی تنہا سمجھتا ہے۔ ہماری تمدّنی زندگی کا آغاز اسی رشتے سے ہوتا ہے اور اسی سے وہ وحدتِ انسانیّت قائم ہوتی ہے جس کی ذمّہ داری رب العالمین نے اپنے بندوں یعنی ہم پر عائد کی ہے۔

(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

(ثریّا عندلیب صاحبہ)

بزمِ طلوعِ اسلام پشاور کا خصوصی اعلان

ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی جملہ مطبوعات ماہ جنوری ۱۹۸۷ء سے ہوٹل شیریں محل ۳-بی، یونیورسٹی ٹاؤن پشاور سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

(نمائندہ بزمِ پشاور)

نقد و نظر

نام کتاب = RIGHTS OF WOMEN IN ISLAMIC SHARIAH (شریعتِ اسلامی میں عورتوں کے حقوق)
مصنّف = پروفیسر رفیع اللہ شہاب
ضخامت = ۲۴۰ صفحات
قیمت = مجلد مع خوبصورت گرد پوش یک صد روپے
ناشر = انڈس پبلشنگ ہاؤس۔ ۱۷ اردو بازار لاہور

کتاب زیرِ تبصرہ کے مصنّف پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب، حلقۂ طلوعِ اسلام کے جانے پہچانے اہلِ قلم ہیں۔ وہ موجودہ معاشرے کے مسلمانوں کو درپیش، مختلف مسائل کا جو اسلامی حل پیش کرتے ہیں، وہ ترقی پسندانہ ہوتا ہے اور روشن خیال علمی حلقوں میں اسے پسند کیا جاتا ہے۔

کتاب زیرِ تبصرہ میں، انہوں نے ہمارے معاشرے میں عورتوں کو درپیش مختلف مسائل کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ پیش کیا ہے اور پھر ان کے بارے میں، اسلامی احکامات کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ مولف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو برابر حقوق عطا کیئے ہیں۔ بیٹے اور بیٹی کے وراثت کے حوالے سے، بعض لوگ جو عورت کو مرد سے نصف درجہ دینے پر اصرار کرتے ہیں، تو اس کے بارے میں مصنّف کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کا استدلال، غلط فہمی پر مبنی ہے اور وراثت کے قانون کے حوالے سے ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جہاں بیٹے، بیٹی کی صورت میں، عورت کا نصف حصّہ مقرر کیا گیا ہے اُنہیں آیات میں بھائی اور بہن اور ماں اور باپ کا برابر برابر حصّہ مقرر کیا گیا ہے۔ حالانکہ بہن اور ماں عورتیں ہیں۔ لیکن ان کا حصّہ بالترتیب بھائی اور باپ کے برابر رکھا گیا ہے۔ جو مرد ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے قانونِ وراثت میں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ جہاں عورت (ماں) کا حصّہ مرد (باپ) سے دوگنا قرار پاتا ہے (صـ۲۱۵)

دراصل ایک خاص معاشرتی مقصد کے لئے عورتوں میں سے صرف بیٹی کا حصّہ نصف مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا خاوند وراثت میں ملنے والی، مفت کی دولت کی وجہ سے محنت کرنے سے بھی چُرانے لگے۔

اسی طرح مصنف نے قرآن، حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ عورت کی گواہی اور اس کی دیت مرد کے برابر ہے (صـ۱۶۸-۱۷۳)۔ عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں، مصنّف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جس طرح مرد کو اپنی زندگی کا ساتھی، منتخب کرنے کی آزادی ہے، تو یہی آزادی اسلام عورت کو بھی دیتا ہے، اس کی مرضی کے بغیر اسلام میں اس کی شادی قرار نہیں پاتی۔ اسی طرح میاں بیوی

میں جھگڑے کی صورت میں، جس طرح مرد کو طلاق کا حق ہے، عورت کو بھی ویسا حق، خلع کی صورت میں حاصل ہے۔

ہمارے ہاں علماء کے ایک طبقے نے، پاکستان عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ کے خلاف کافی عرصے سے مہم چلا رکھی ہے، لیکن مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان قوانین میں کوئی چیز بھی خلاف اسلام نہیں۔ بلکہ یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ جب آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے یعنی ۱۹۲۹ء میں یہی قوانین مصر میں رائج ہوئے تھے۔ تو یہاں کے علماء نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور برصغیر ہندو پاک میں، ان کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مودودی صاحب کی کتاب، حقوق الزوجین اور عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کا تقابلی مطالعہ پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کی اصل، مصری عائلی قوانین ہیں۔ مودودی صاحب کی کتاب "حقوق الزوجین" ان مصری قوانین کا اردو ترجمہ ہے جبکہ پاکستان" عائلی قوانین، ان کا انگریزی چربہ ہیں۔ عائلی قوانین کے حوالے سے مصنف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یتیم پوتا، اپنے دادا کی وراثت میں برابر کا حقدار ہے اور اسے کسی صورت میں بھی اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

مختصر یہ کہ عورتوں کے بارے میں، جس مسئلہ کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے، مصنف نے قرآن و سنت کی روشنی میں، ان کا حل اڑتالیس مدلل مقالات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ہر پڑھی لکھی عورت کو کہ جسے عورتوں کے حقوق کا احساس ہے، اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے بلکہ اگر یہ کتاب ہر پڑھی لکھی لڑکی کے جہیز میں دی جائے تو اسے ابتدا ہی سے اپنے حقوق کا علم ہو جائے گا۔

خریدار صاحبان متوجہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

۱۔ بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلا وجہ تاخیر نہ ہو۔

۲۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام